اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار اہم نصیحتیں
- سُنّت کا مفہوم اور اتباع سُنّت کی اہمیّت
- سُنّت کا مقام اور فتنہ انکارِ حدیث
- حج کے بعد زندگی کیسے گذاریں
- دِینی تعلیم اور عصبیّت
- دو کمزور — یتیم اور عورت
- دارالعلوم دیوبند سے دارالعلوم کراچی تک
- اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں
- تغیّر پذیر حالات میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت
- عظمتِ مدارسِ دِینیہ

جلد چہارم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اصلاحی تقریریں

عمل پر ابھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد چہارم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مرتب:
مولانا اعجاز احمد صمدانی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

نام کتاب　اصلاحی تقریریں
جلد　چہارم
مقرر　حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
ضبط وترتیب　مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام　محمد ناظم اشرف
ناشر　بیت العلوم۔۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون:۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبرا
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبرا
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ رحمانیہ = غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لاکر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے چار درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں (جلد چہارم)'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں

بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالامال کردے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہوجائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول، دوم اور سوم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد چہارم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں

حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب کا کام مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

محمد ناظم اشرف

مدیر ''بیت العلوم''

اَجمالی فہرست

اصلاحی تقریریں

(جلد چہارم)

فہرست

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار اہم نصیحتیں

سنت کا مفہوم اور اتباع سنت کی اہمیت

سنت کا مقام اور فتنہ انکارِ حدیث

حج کے بعد زندگی کیسے گذاریں؟

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں

﴿دو کمزور۔ یتیم اور عورت﴾

دارالعلوم دیوبند سے دارالعلوم کراچی تک

دینی تعلیم اور عصبیت

تغیر پذیر حالات میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت

﴿عظمتِ مدارسِ دینیہ﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی چار اہم نصیحتیں

موضوع	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار اہم نصیحتیں
مقرر	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام	مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ	۱۶ جمادی الاول ۱۴۲۳ھ
ضبط و ترتیب	مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام	محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار اہم نصیحتیں﴾

۱۔ تقویٰ کا اہتمام ۲۔ امیر کی اطاعت

۳۔ سنت پر عمل ۴۔ بدعت سے اجتناب

خطبہ:

نحمدهٗ ونصلّی علٰی رسولہٖ الکریم،

امابعد!

عن أبی نجیح العرباض بن ساریه رضی الله عنه قال: " وَعَظَنَا رسولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم موعظَةً بليغَةً وَجلَتْ منها القلوب وذَرَفَت منه العُيون فقلنا: يارسول الله كأنّها موعظة مودّ ع فأوصينا۔ قال: " أوصيكم بتقوى الله، والسمع والطاعة انُ تأمّر عليكم عبدٌ حبشيٌ وانّه من يعش منكم فسيرى اختلافًا كثيراً۔ فعليكم بسنّتي وسنة

الخلفاء الراشدين المهديّين، عضّوا عليها بالنواجذ واياكم ومحدثات الأمور فان كل بدعةٍ ضلالةٌ

(رواه ابوداود رقم الحديث(٤٤٤٣) باب فی لزوم السنة، والترمذی باب ماجاء فی الا خذ بالسنة واجتناب البدع رقم الحديث ٢٦٨١)

ترجمہ:

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بڑا بلیغ وعظ فرمایا جس سے دل ڈر گئے اور آنکھیں بہہ پڑیں۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے یہ ایسا وعظ فرمایا جیسے کوئی رخصت ہونے والا وعظ ونصیحت کرتا ہے۔ آپ ہمیں کچھ نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی، اگرچہ تم پر زبردستی ایک حبشی کو امیر کیوں نہ بنایا جائے اور جو تم میں سے زندہ رہے گا۔ وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا پس تم لازم پکڑو میری سنت اور میرے خلفاءِ راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، ان کی سنت کو اور اسے اپنی داڑھوں سے پکڑ لو اور بچاؤ تم اپنے آپ کو نئی نئی باتوں سے، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔''

تمہید:

سنت کی اہمیت اور حجیت کے متعلق بیان چل رہا تھا۔ اس ذیل میں چند آیات اور ایک حدیث کا بیان ہو چکا۔ آج دوسری حدیث کا بیان شروع کرتے ہیں۔ یہ روایت جلیل القدر صحابی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

پہلی نصیحت: تقویٰ کا حکم:

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نصیحتیں فرمائی ہیں۔ ان نصیحتوں میں آپ نے سب سے پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا" أوصیکم بتقوی اللہ" (میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں) یہ ایسا فصیح اور بلیغ جملہ ہے کہ اگر آپ اس کے علاوہ اور کچھ بھی ارشاد نہ فرماتے تو بھی یہ جملہ کافی تھا۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسا جملہ ہے کہ پورا دین اس کے اندر آ گیا ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا حاصل یہ ہے کہ اس کی نافرمانی سے بچا جائے اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے وہ کرو اور جن سے منع کیا ہے یعنی گناہ کے کام ان سے بچو۔ یہی تو سارا دین ہے۔ عقیدہ وہ رکھو جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ نے بتلایا ہے۔ وہ نہ رکھو جس سے اللہ نے روک دیا ہے۔ نماز ویسی پڑھو جیسی اللہ اور اس کے رسول نے بتلائی۔ اس کے برخلاف نہ کرو۔ سارے اعمال ظاہرہ ویسے کرو جیسے کرنے کا حکم دیا گیا اور جن سے منع کیا گیا ان سے رک جاؤ۔ تمام فرائض وواجبات اور سنن اس میں آ گئیں اور تمام حرام ومکروہات سے بچنا اس کے اندر آ گیا۔

اصلاحِ معاشرہ کے لئے اکسیر نسخہ:

یہی ایک ایسی چیز ہے کہ اگر اسلامی معاشرے کے تمام طبقات مثلاً علماء، اساتذہ، حکام، مفتیانِ کرام، سیاسی زعماء اسے اپنا مطمحِ نظر بنا کر مشترک پالیسی بنالیں اور یہ فیصلہ کرلیں کہ ہم نے اسی کے مطابق عمل کرنا ہے تو پورے معاشرے کی اصلاح ہوجائے گی۔ نہ چوری باقی رہے گی اور نہ ڈکیتی، نہ رشوت باقی رہے گی اور نہ ناجائز سفارشات، پورے معاشرے اور ملک میں امن وامان قائم ہوجائے گا۔ جو کچھ بدنظمی،

بدامنی، نااتفاقیاں، قتل وغارت گری، چوری ڈکیتی اور سرکاری دفاتر، عدالتوں اور ہسپتالوں میں بدعنوانیاں نظر آرہی ہیں وہ سب اس ایک جملے سے صرف نظر کرنے کی وجہ سے ہیں۔ وہ جملہ یہی ہے "أوصيكم بتقوى الله" (میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وصیت کرکے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا۔

رشوت اور دیگر جرائم کی روک تھام کیسے ہو؟:

آج کمیشن پر کمیشن قائم ہورہے ہیں۔ صوبائی محتسب ہے پھر محتسب اعلیٰ ہے، عدالتیں چھوٹی، پھر بڑی پھر اس سے بڑی یہاں تک کہ سپریم کورٹ۔ اسی طرح رشوت کی روک تھام کے لئے مختلف قسم کے ادارے قائم ہورہے ہیں۔ ان سب چیزوں سے مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ یہ مسئلہ حل ہوگا خدا کا خوف پیدا کرنے سے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آئی۔ یہ ۱۹۵۰ء کی دہائی کی بات ہے۔ پاکستان بنے ہوئے ابھی چند سال ہوئے تھے۔ اس زمانے میں ضلع کا بڑا حکمران ڈی سی کے بجائے کلکٹر کہلاتا تھا۔ یہ نام انگریز کے زمانے سے چلا آرہا تھا اور اس وقت تک یہی نام برقرار تھا۔ اس زمانے کے کلکٹر والد صاحب سے اچھا تعلق رکھتے تھے۔ ایک روز والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کرنے لگے: مفتی صاحب! ہم نے رشوت خوری کی روک تھام کے لئے ایک کمیٹی بنادی ہے۔ والد صاحب نے پوچھا اس کمیٹی میں کتنے افراد ہیں۔ کہنے لگے: دس آدمیوں پر مشتمل ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ آپ نے رشوت کھانے والوں میں دس آدمیوں کا اور اضافہ کردیا۔ ان کی رشوت کا پتہ لگانے کے لئے پھر آپ کو ایک اور کمیٹی بنانی پڑیگی اور پھر ان کی رشوتوں کی خبر گیری کے لئے ایک اور کمیشن بنانا ہوگا (هلم جراً) اس طرح لامتناہی سلسلہ

شروع ہو جائے گا۔

کمیٹیوں کے قائم کرنے سے مسئلہ حل ہونے والا نہیں بلکہ اس کے لئے ضروری کہ معاشرے میں خدا کا خوف پیدا کرو۔ اللہ کی حکمرانی کا تصور قائم کراؤ اور یہ تصور پیدا کراؤ کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت دیکھ رہا ہے اور ہماری ہر بات کو سن رہا ہے۔ سب کچھ ریکارڈ میں محفوظ ہو رہا ہے۔ سب کچھ دکھایا جائے گا اور ایک ایک چیز کا جواب دینا پڑے گا۔ جب تک آپ لوگوں کے دلوں کے اندر جوابدہی کا احساس پیدا نہیں کریں گے آپ لوگوں کو جرائم سے نہیں روک سکتے۔

روزہ تقویٰ کی اعلیٰ مثال:

میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ ہم لوگ الحمدللہ رمضان المبارک میں روزے رکھتے ہیں۔ آج کل تو خیر سردیوں کے رمضان ہیں لیکن جب گرمیوں کے رمضان ہوتے ہیں تو دوپہر کے وقت پیاس کی وجہ سے برا حشر ہوتا ہے۔ حلق میں کانٹے جمے رہتے ہیں، پیاس کی شدت کی وجہ سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا، بات کرنا دوبھر محسوس ہوتا ہے۔ اس حالت میں آپ ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے ہیں لیکن جب اس سے کلی کرتے ہیں تو بہت احتیاط کرتے ہیں کہ کہیں کوئی قطرہ منہ کے اندر نہ چلا جائے حالانکہ اگر آپ پانی کا ایک گھونٹ حلق میں اتار لیں تو کسی انسان کو بھی اس کا علم نہ ہوگا اور غسل خانے میں جاکر یہ کاروائی کریں تو بالکل ہی آسان ہے لیکن آپ کتنی احتیاط کرتے ہیں۔ ذرا سا خطرہ بھی محسوس ہو کہ کوئی قطرہ حلق کے قریب پہنچ گیا تو خا، خا کرکے اس کو تھوکتے ہیں۔ یہ کیا ہے!! یہاں کوئی پولیس آئی ہوئی ہے؟ کوئی انٹی کرپشن کمیٹی کے لوگ معائنہ کر رہے ہیں؟ یا فوج اور عدالت کے افراد موجود ہیں؟ کچھ بھی نہیں، یہ صرف اور صرف خدا کا خوف ہے۔

تقویٰ ہے بس یہ تصور ہوتا ہے کہ جس کیلئے میں نے روزہ رکھا وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس لئے وہ پانی کا گھونٹ تک نہیں پیتا۔

پس ہمارے تقویٰ کی جو کیفیت روزے کے دوران ہوتی ہے۔ اگر زندگی کے ہر حال میں ہماری وہی کیفیت پیدا ہوجائے تو پورے معاشرے کی اصلاح ہوجائے۔ چنانچہ جب ہم دفتر میں کام کررہے ہوں تو ہمیں اس بات کا احساس ہو کہ ہمیں اس وقت کی تنخواہ مل رہی ہے جو ہم یہاں دے رہے ہیں۔ ہمارا یہ وقت سرکاری کاموں میں ہی خرچ ہو، ڈیوٹی کے علاوہ کسی اور کام میں خرچ نہ ہو، بے کار کی گپ شپ میں، ذاتی کاموں میں، ذاتی خط لکھنے وغیرہ میں نہ خرچ ہوجائے اور یہ ڈر لگا رہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔

افسر کا ڈر......!!

آج کل بڑی بڑی تجارتی فرمیں اور ادارے اپنے ہاں لگالیتے ہیں۔ تو اس کی سکرین پر اس ادارے کے متعلق سب کچھ آتا رہتا ہے۔ مثلاً پانچ منزلہ عمارت ہے اور اس میں کئی شعبے ہیں تو ہر شعبہ نظر آتا رہتا ہے اور پتہ چلتا رہتا ہے کہ کون آرہا ہے، کون جارہا ہے، کون کیا کررہا ہے وغیرہ۔ نتیجہ یہ کہ سارے ملازمین چوکس رہتے ہیں۔ نہ ٹیلی فون پر کسی سے غیرضروری بات کرتے ہیں اور نہ آنے جانے والوں میں سے کسی سے فضول باتیں کرتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دیکھا جارہا ہے۔ اگر ہر ایک کے اندر یہی تصور اللہ رب العالمین کے بارے میں رہنے لگے کہ وہ مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے میری ہر بات سنی جارہی ہے اور میری ہر بات ریکارڈ ہورہی ہے تو پھر کام چوری مکمل طور پر ختم ہوجائے گی اور کام چوری کے خاتمے کے نتیجے میں دفاتر کا سارا نظام ٹھیک ہوجائے گا۔ تعلیمی اداروں میں طلبہ کو تعلیم ملنے لگے گی۔

ہسپتالوں میں مریضوں کو علاج ملنے لگے گا۔ عدالتوں میں لوگوں کو انصاف ملنے لگے گا۔ بلدیاتی اداروں سے شہروں کے مسائل حل ہونے لگیں گے۔ پولیس سے لوگوں کو تحفظ ملنے لگے گا اور چوری ڈکیتی کا خاتمہ ہوجائے گا۔ پولیس والوں کے بارے میں مشہور ہے کہ پولیس والا اپنے افسر کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ پولیس والا جتنا اپنے افسر سے ڈرتا ہے اگر اتنا وہ اپنے خدا سے ڈرنے لگے تو معاملہ آسان ہوجائے گا۔ افسر سے ڈرنے کا اتنا فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہر بات دیکھتا اور سنتا نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ہر بات دیکھتا اور سنتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے مسائل کا حل ''تقویٰ'' ہے۔ خدا کے خوف اور تقویٰ کے بغیر دنیا میں امن وامان قائم ہو ہی نہیں سکتا۔

اُولوالامر کی اطاعت:

اس کے بعد فرمایا" والسمع والطاعة" (اور سمع وطاعت کی بھی تمہیں نصیحت کرتا ہوں) اس کی تشریح بھی ذرا سمجھ لیجئے۔ ''سمع'' کے معنی ہیں سننا اور ''طاعت'' معنی ہیں قبول کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا۔ کس کی سمع وطاعت؟ اللہ اور اس کے رسول کی اور أولوالامر (حکام) کی۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿یاایها الذین امنوا اطیعوا الله واطیعواالرسول واولی الأمر منکم﴾ (النساء،۵۹)

''اے ایمان والو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں، ان کی بھی''۔

''أولوالأمر" سے کون مراد ہیں؟:

"أولوالامر" سے کون کون لوگ مراد ہیں؟ اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں۔

تحقیقی بات یہ ہے کہ حکومت کے معاملات میں حکام اور افسران جبکہ شریعت کے مسائل میں علماء کرام اور مفتیان عظام اُولوالامر ہیں۔ انتظامی معاملات میں حکومت کا حکم چلے گا۔ جبکہ جائز وناجائز میں حکم چلے گا مفتی صاحبان کا۔ حکومت کے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ جائز وناجائز کے بارے میں علماء سے پوچھتے رہیں اور علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ حکومت شرعی حدود کے اندر جو حکم نافذ کرے اس کی خلاف ورزی نہ کریں۔

غلام کو امیر کی اطاعت کا حکم:

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سمع وطاعت'' کے حکم میں مزید تاکید پیدا کرنے کے لئے فرمایا کہ اگرچہ تم پر زبردستی کوئی غلام امیر بن بیٹھے۔ آج کل دنیا میں غلام باقی نہیں رہے لیکن ایک وقت تھا کہ دنیا میں غلام بھی پائے جاتے تھے۔ شریعت کا قانون یہ ہے کہ کسی غلام کو سربراہِ مملکت بنانا یا اس کا ازخود بن جانا جائز نہیں۔ آزاد آدمی ہی کو امیر بنایا جائے، لیکن فرض کریں کہ اگر کوئی غلام زبردستی طاقت کے ذریعے مسلط ہوگیا اور سربراہ بن بیٹھا تو اب جائز امور میں اس کی اطاعت بھی واجب ہوجائے گی۔ چونکہ اس کے لئے سربراہ بننا جائز نہیں تھا اس لئے اسے تو گناہ ہوگا اور آخرت میں اس بات کی پکڑ ہوگی کہ جب تیرے لئے سربراہ مملکت بننا جائز نہیں تو تو کیوں سربراہ بنا لیکن ہم پر جائز امور میں اس کی اطاعت واجب ہوگی اور اس کی خلاف ورزی جائز نہیں ہوگی۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اپنے امیر کی اطاعت کرو اگرچہ اس کے منہ کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں۔'' (مسلم، کتاب الامارہ)

ظاہر ہے کہ جس کے منہ کے اعضاء کٹے ہوں کہ ناک بھی کٹی ہوئی۔ کان بھی کٹا ہوا۔ آنکھ بھی پھوٹی ہوئی تو وہ کس کام کا امیر ہوگا لیکن آپ نے اس کی بھی اطاعت کرنے کا حکم دیا حالانکہ اس شخص کے اندر امیر بننے کی اہلیت نہیں اس لئے کہ امیر بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ نابینا نہ ہو۔ اس کی سماعت ٹھیک ہو۔ زبان صحیح ہو، وہ بول اور سن سکے لیکن اگر وہ زبردستی امیر بن گیا یا کسی نے اس کو امیر بنادیا تو اب جائز امور میں اس کی اطاعت واجب ہوگی۔

موجودہ حکام کی اطاعت کی تفصیل:

اسی سے آج کل کے حکام کا مسئلہ سمجھ لیجئے کہ اگر حکومت نے کسی نااہل شخص کو ڈپٹی کمشنر، کمشنر یا وزیر وغیرہ بنادیا یا خود کوئی زبردستی صدر بن گیا حالانکہ وہ اس کا اہل نہیں تھا۔ آج کل ناانصافیوں کا دور ہے اس لئے ایسا ہوتا رہتا ہے تو اس صورت میں جن لوگوں نے اسے اس عہدے پر فائز کیا، وہ گنہگار ہوں گے اور اگر یہ خود زبردستی اس عہدے پر آیا تو خود گنہگار ہوگا لیکن اس کے ماتحت افراد پر اس کی اطاعت واجب ہوگی بشرطیکہ اس کا حکم شریعت کے خلاف نہ ہو۔ جو حکم شریعت کے خلاف ہو، وہ نہیں مانا جائے گا۔ خواہ کسی کا ہو، باپ کا نہ ماں کا، عدالت کا نہ حاکم کا اور نہ کسی اور شخص کا۔

جائز امور میں اطاعت کی مثال:

البتہ صرف جائز امور میں ان کی اطاعت واجب ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے ٹریفک کے قوانین ہیں۔ ان قوانین کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں اور نہ ہی قرآن وسنت میں ان کی پابندی کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم قانون کی کتابوں میں

ہے اور ''اولوالأمر'' نے اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ چونکہ یہ حکم ایسا ہے کہ جو شریعت کے خلاف نہیں بلکہ شریعت کے اعتبار سے پسندیدہ بھی ہے کیونکہ ان قوانین پر عمل کرنے سے لوگ تکالیف سے بچتے ہیں۔ اگر اس کی خلاف ورزی ہوتو حادثات وغیرہ ہوں گے۔ جس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی۔ شریعت نے بھی لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ عام حالات میں مسجد کے اندر نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر باہر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے سڑک یا گلی کے علاوہ کوئی جگہ نہیں۔ اور یہ خیال ہو کہ اگر وہاں نمازِ جنازہ پڑھی جائے تو ٹریفک رک جائے گا۔ لوگوں کی آمدورفت بند ہوجائے گی تو ایسی صورت میں علماء نے فرمایا ہے کہ نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کی جائے تا کہ راستہ بند نہ ہو۔

چونکہ ٹریفک کے قوانین نہ صرف یہ کہ شریعت کے خلاف نہیں بلکہ شریعت میں پسندیدہ بھی ہیں۔ اس لئے ان کی پابندی کرنا واجب ہوگا۔

نظم وضبط کی شرعی حیثیت:

اسی کے ضمن میں ایک بات یہ سمجھ لیجئے کہ شریعت نے ہر چیز میں نظم وضبط رکھنے کا اہتمام کیا ہے مثلاً نماز کو دیکھ لیجئے، یہ ایک عبادت ہے۔ بندے اور اللہ تعالیٰ کا براہ راست تعلق ہے لیکن اس میں بھی ایک امام مقرر کیا گیا جس کی اقتداء میں نماز ادا کی جاتی ہے اور ایک رخ متعین کیا گیا۔ اگر یہ پابندی نہ ہوتی اور قبلے کا کوئی رخ متعین نہ کیا جاتا اور ہر ایک کو اختیار دیا جاتا کہ مسجد میں آنے کے بعد جس طرف چاہو، منہ کر کے کھڑے ہوجاؤ اور جس طرح چاہو کھڑے ہوجاؤ تو اس سے کیسی بدنظمی پھیلتی۔ شریعت نے اسے منظم کیا، صفیں بنوائیں، قبلہ کا رخ متعین کیا، ایک امام بنایا، اس سے ایک خوبصورت اور منظم شکل بن گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے ہاں

نظم وضبط پسندیدہ چیز ہے بدنظمی شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔

''امیر'' مقرر کرنے کی وجہ:

یہی وجہ ہے کہ شریعت نے نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لئے مختلف کاموں میں امراء مقرر کئے مثلاً حج میں آپ دیکھتے ہیں کہ ایک امیر الحج ہوتا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ اسی طرح جتنے جہاد ہوتے تھے۔ آپ اس لشکر کے افراد میں سے کسی کو امیر مقرر فرماتے تھے۔ مبلغین کو بھیجتے تو ان میں ایک امیر مقرر کیا جاتا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''اگر تم تین آدمی مل کر سفر کرو تو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالو''[1]

پھر جب کوئی امیر مقرر ہو جائے تو اس کی اطاعت واجب ہے۔ اس سے نظم وضبط برقرار رہتا ہے۔

مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا واقعہ:

اسی سے ایک عجیب واقعہ یاد آیا۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ ہمارے اکابر اور بزرگوں میں سے ہیں۔ حضرت والد صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں نے ان سے سبق تو نہیں پڑھا لیکن وہ میرے استادوں کے درجے کے بزرگ تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے انہیں عجیب تواضع سے نوازا تھا۔ تواضع، زہد، مجاہدے، مشقت، اٹھانا یہ ان کے خاص وصف تھے۔ والد صاحب قدس سرہ نے بتلایا کہ ایک مرتبہ ہمارا ان کے ساتھ ایک سفر پیش آیا۔ جب ہم لوگ اکٹھے ہو گئے تو حضرت مدنی

[1] مشکوۃ باب آداب السفر، رقم الحدیث ۳۹۱۱

رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بھائی! کوئی امیر مقرر کرلو۔ ہم نے عرض کیا۔ آپ امیر متعین ہیں۔ آپ ہم سب کے بڑے ہیں۔ چنانچہ آپ امیر مقرر ہوگئے۔ جب ریل آ کر کھڑی ہوئی تو اپنے سامان کے ساتھ کئی دوسروں کا سامان بھی اٹھایا۔ کچھ کندھے پر، کچھ بغل میں، کچھ کہیں، کچھ کہیں، کسی اور کو سامان نہیں دیا، سب کا سامان اپنے سر پر اٹھالیا حالانکہ آپ کے شرکاء میں آپ کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی۔ سب نے عرض کیا حضرت! یہ سامان ہم اٹھاتے ہیں۔ فرمایا: دیکھو، بات مان جاو، امیر کی اطاعت واجب ہے اور امیر کا حکم ہے کہ تم سامان نہ اٹھاو۔ اور فرمایا کہ:

﴿سید القوم خادمھم﴾

''قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے''۔

چنانچہ کسی کو سامان اٹھانے نہیں دیا اور خود ہی سارا سامان اٹھا کر وہاں لے گئے۔

حکومت سے اختلاف میں بھی حدود کی رعایت ضروری ہے:

آج کل یہ طریقہ چل پڑا ہے کہ جتنا حکومت کے خلاف بولا جائے، اتنی بہادری کی بات سمجھی جاتی ہے اور تعریف کی جاتی ہے کہ فلاں صاحب تو بڑے حق گو ہیں، انہوں نے تو حق ادا کردیا اور یہ بہت بڑے لیڈر ہیں۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اگر حکومت کے لوگوں سے اختلاف ہوتو اختلاف، اختلاف کے طریقے سے کیا جائے، قانون شکنی جائز نہیں، اور جائز امور میں ان کی نافرمانی جائز نہیں۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فاسق وفاجر حکام کی اطاعت واجب نہیں

ہوتی اور آج کل کے حکام تقریباً ایسے ہی ہیں۔ پاکستان کے حکام کو تو پھر بھی کچھ غنیمت سمجھو، دوسرے اکثر اسلامی ممالک میں اس سے بھی زیادہ حالت خراب ہے۔ تو یوں سمجھا جاتا ہے کہ ان حکام کی اطاعت ضروری نہیں کیونکہ یہ نماز نہیں پڑھتے، روزہ نہیں رکھتے۔ فلاں فلاں خرابی میں مبتلا ہیں۔ ویسے سب کے بارے میں یہ کہنا تو مشکل ہے کہ سب نماز نہیں پڑھتے اور روزہ نہیں رکھتے البتہ ظاہری حالات جو ہمارے سامنے ہیں۔ وہ اچھے نہیں، بڑے بڑے گناہوں میں ملوث نظر آتے ہیں۔ وضع قطع کے لحاظ سے بھی ان کی حالت اچھی نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جائز امور میں بھی ان کی اطاعت نہ کی جائے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> ''امیر کی اطاعت کرو، خواہ تمہیں ان کا حکم پسند ہو یا ناپسند ہو اور ان سے لڑائی مت کرو مگر یہ کہ تم ان سے کھلا ہوا کفر دیکھو اور کفر بھی ایسا جس کی واضح دلیل تمہارے پاس ہو''۔
>
> (مسلم، کتاب الامارہ)

ایسی صورت میں ان کے خلاف بغاوت کی جائے گی اور ان سے طاقت کے ذریعے سے نمٹا جائے گا۔ لیکن جب تک یہ کیفیت نہیں، ان کے خلاف بغاوت بھی جائز نہیں اور جائز امور میں ان کی اطاعت بھی واجب ہے۔

کون کہاں امیر ہے؟

اسی سے یہ سمجھ لیجئے کہ جس حصے میں جس شخص کو اختیار دیا گیا ہے۔ اس حصے کا وہ امیر ہے اور اس حد تک اس کی اطاعت واجب ہے۔ درسگاہ میں استاذ امیر ہے۔ وہاں اس کی اطاعت واجب ہے۔ ہاسٹل میں اس کا نگران امیر ہے۔ وہاں اس

کی اطاعت واجب ہے۔ اسی طرح ادارے کا سربراہ وہاں کا امیر ہے، ادارے کے اندر اس کی اطاعت واجب ہے وغیرہ۔

اختلافِ امت کے وقت کرنے کا کام:

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

''تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا۔''

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے۔ اختلافات کا دور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور سے شروع ہوا اور اس کے بعد اختلافات بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ آج کل اختلافات کی شدت ہمارے سامنے ہے۔ اس صورت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ تو اس کے بارے میں آپ ؐ نے فرمایا:

﴿فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ﴾

''لازم پکڑنا میری اور خلفاءِ راشدین کی سنت کو''۔

خلفاءِ راشدین کے فضائل:

خلفاءِ راشدین میں سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے بعد عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کو آپ نے خلفاء راشدین اور مہدیّین کہا۔ یہ ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی شہادت ہے۔ اس جملے میں آپ نے ان کے تین فضائل بیان کئے۔

۱۔ خلفاء:۔ خلیفہ کے معنی ہیں جانشین۔ کس کے جانشین؟ سید الاولین والآخرین کے جانشین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین۔ ان جانشینوں کی اللہ کے ہاں کیا عظمت ہوگی۔

۲۔ راشدین: راشد کے معنی ہیں رُشد والا۔ اور رُشد کہتے ہیں ہدایت کو۔ راشدین کا مطلب ہے ہدایت والا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں صحابہ کے بارے میں گواہی دے دی کہ یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ ہدایت کے خلاف کام نہیں کریں گے۔

۳۔ مہدیّین:۔ پھر اسی معنی کے اندر مزید تاکید پیدا کرنے کے لئے فرمایا مہدیین:۔ لفظ مہدی، ہدایت سے اسم مفعول ہے۔ مہدی اس شخص کو کہتے ہیں جسے ہدایت دے دی جائے۔ مہدیین، مہدی کی جمع ہے یعنی وہ لوگ جنہیں ہدایت دے دی گئی ہے۔

حق وباطل پہچاننے کی کسوٹی:

تو آپ نے ایک حل تجویز فرمادیا کہ جب امت میں اختلافات ہوں تو میرے اور خلفاءِ راشدین کے راستے کو اپنا لو یہی جنت کا راستہ ہے۔ گویا حق وباطل کو پہچاننے کی ایک کسوٹی ہمارے ہاتھ میں دے دی کہ جب بھی اختلاف رائے سامنے آئے تو اس کا حل یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ کونسی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے۔ جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوئی، وہ درست ہوگی۔ بعض مرتبہ براہ راست رسول اللہ کی سنت میں اس کا ذکر نہیں ہوگا تو پھر خلفاء راشدین میں سے دیکھ لو کہ کس کی بات ان سے ملتی ہے۔ جو بات خلفاءِ راشدین کے مطابق ہوگی۔ وہ صحیح ہوگی۔ اس پر عمل کرنے سے اختلاف ختم ہو جائے گا۔

شیعہ سنّی اختلاف کی وجہ:

شیعہ سنی اختلاف بھی یہی ہے۔ سنی کہتے ہیں کہ ہم ''اہل السنّت والجماعۃ'' ہیں۔ جماعت سے مراد صحابہ کرام کی جماعت ہے۔ یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حجت مانتے ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت کو حجت سمجھتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایک مسئلہ میں دوقسم کی روایات آجاتی ہیں اور کسی سے اس عمل کا جواز معلوم ہوتا ہے اور کسی دوسری روایت میں اس کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں صحابہ کرام کا عمل دیکھا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے جس عمل کو اختیار کیا، ہم سمجھیں گے وہی ٹھیک ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو جتنا انہوں نے سمجھا، اتنا کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ تو ہم اہل السنّت والجماعت ہیں۔ جبکہ یہ شیعہ حضرات (اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے) کہتے ہیں کہ ہم اہل بیت کو مانتے ہیں حالانکہ اہل بیت کو تو ہم بھی مانتے ہیں۔ اہلِ بیت تو ہمارے سر کے تاج ہیں اور خلفاءِ راشدین کو بھی مانتے ہیں لیکن یہ صرف اہل بیت ہی کو مانتے ہیں۔ اگر یہ بھی سب کو ماننے لگ جائیں تو اختلاف ختم ہوجائے گا۔

ایک دلچسپ واقعہ:

ایک واقعہ یاد آیا۔ یہاں عام طور پر جب عاشورہ کا موسم آتا ہے تو حکومتی افسران میٹنگ بلاتے ہیں۔ شیعہ سنی علماء کو جمع کرتے ہیں اور ضابطہ عمل طے کرتے ہیں۔ مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور میں پڑھاتے تھے۔ ان کے دور میں ایک مرتبہ گورنر نے میٹنگ بلوائی۔ شیعہ سنی علماء گئے۔ ان میں یہ بھی تھے۔ گورنر صاحب نے کہا کہ ہم نے امن وامان قائم کرنے

کے لئے آپ کو بلایا ہے۔ مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ نے مجھے کیوں بلایا۔ میں تو سنی ہوں۔ میں تو ان کے سارے بزرگوں کو مانتا ہوں اور سب سے محبت اپنے ایمان کا حصہ سمجھتا ہوں۔ لیکن یہ ہمارے بہت سے بزرگوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ اگر آپ ان کو ٹھیک کر دیں تو امن وامان قائم ہوجائے گا۔ باقی ہمیں بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس گناہ سے بچنے کی توفیق دے دے۔

سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کی ہدایت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے فرمایا:

﴿عضوا علیها بالنواجذ﴾

''میری اور خلفاءِ راشدین کی سنت کو) اپنی داڑھوں سے پکڑ لو''۔

جب کسی کو مضبوطی سے پکڑنے کے لئے کہا جاتا ہے تو عربی میں یوں کہا جاتا ہے کہ اسے نواجذ (داڑھوں) سے پکڑلو۔ یعنی اگلے دانتوں سے پکڑو گے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ دانت ٹوٹ جائیں گے۔ داڑھ سے پکڑو گے تو مضبوطی رہے گی اور وہ چیز چھوٹے گی نہیں۔ گویا یہ فرمایا کہ میری اور خلفاءِ راشدین کی سنت کو اس طرح مضبوطی سے پکڑ لو کہ وہ چھوٹنے نہ پائے۔

بدعت سے بچنے کا حکم:

اس کے بعد فرمایا:

وإيّاكُم ومُحدثاتِ الأمُور فإنّ كُلّ بِدْعةٍ ضَلالةٌ

بچاؤ تم اپنے آپ کو نئی نئی باتوں سے کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص کسی شرعی دلیل کے بغیر دین کے اندر کوئی بات بڑھائے گا تو یہ بدعت ہے جو کہ حرام ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

بدعت کے لغوی واصطلاحی معنی:

بدعت کے لغوی معنی ''نئی چیز'' کے ہیں۔ جو نئی چیز ایجاد کی گئی ہو، وہ لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت ہے چنانچہ اس معنی کے اعتبار سے جہاز بھی بدعت ہے۔ ٹیلی فون اور مائیکروفون وغیرہ بھی بدعت ہیں۔ لیکن شریعت کی اصطلاح میں بدعت کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز دین میں شامل نہیں، اُسے کوئی شخص کسی شرعی دلیل کے بغیر اپنی طرف سے دین میں شامل کردے عمل کے طور پر یا عقیدے کے طور پر۔ تو یہ اضافہ جو اس نے اپنی طرف سے دین کے اندر کیا ''بدعت کہلائے گا۔''

کونسا اضافہ بدعت ہے؟:

اگر یہ نئی چیز کسی شرعی دلیل سے آئی ہو۔ مثلاً قرآن، حدیث، اجماع یا قیاس سے ثابت ہورہی ہو تو وہ بدعت نہیں ہوگی کیونکہ وہ شرعی دلیل سے ثابت ہورہی ہے۔ بدعت وہ چیز ہوتی ہے جو کسی شرعی دلیل کے بغیر ہو مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ صبح کے وقت آدمی خوب تازہ دم ہوتا ہے۔ کسی قسم کی تھکاوٹ نہیں ہوتی تو اس وقت دو رکعت فرض کے بجائے چار فرض ہونے چاہئیں۔ لہٰذا ہم چار رکعت فرض پڑھا کریں گے تو یہ اضافہ چونکہ شرعی دلیل کے بغیر ہے۔ اس لئے بدعت ہے اور ایسے اضافے کرنے والے کو جوتے پڑیں گے کہ تم کون ہو دین کے اندر اضافہ کرنے والے، دین

بنانے اور بھیجنے والے ہم ہیں۔ تم اپنی بقراطیت کو اپنے پاس رکھو۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ صاحب! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی کچی تھی۔ چھت کھجور کی شاخوں کی تھی اور فرش پر سنگریزے پڑے ہوئے تھے اور اب تم لوگوں نے اتنی عظیم الشان مسجدیں بنالی ہیں خود مسجدِ نبوی اور حرم کی مسجد کتنی عظیم الشان بن چکی ہیں۔ اسی طرح دنیا میں اور سینکڑوں پکی مساجد بنائی گئی ہیں تو پھر یہ بھی بدعت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہر نئی چیز کو بدعت کہا جائے تو پھر تم خود بھی بدعت ہو اس لئے کہ تم بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نہیں تھے۔

خوب سمجھ لیجئے! ہر نئی چیز کو بدعت نہیں کہتے، بدعت اس نئی چیز کو کہتے ہیں جو دین کے طور پر دین میں شامل کی جائے چنانچہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کچی مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب کم ہے اور پکی مسجد میں نماز پڑھنا کا ثواب زیادہ ہے لہٰذا میں اس مقصد کے لئے پکی مسجد تعمیر کرتا ہوں تو یہ بدعت ہوگی، اس لئے کہ اس نے اپنی طرف سے شریعت کے اندر ایک حکم کا اضافہ کردیا وہ یہ کہ پکی مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔"

اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ مسجد کو پکا بنانا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور خلفاءِ راشدین میں سے ہیں اور اسی حدیث کے شروع میں گذر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم اپنے اوپر لازم پکڑ لو میری سنت کو اور خلفاء راشدین کی سنت کو" تو چونکہ پکی مسجد بنانا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فعل سے ثابت ہے تو گویا پکی مسجد کا بنانا خود

سنت سے ثابت ہوگیا۔

اور یہ بھی ثابت نہ ہوتا تب بھی اتنی بات تو ثابت ہے کہ مسلمانوں کو راحت پہنچانا ثواب کا کام ہے۔ یہ بات قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے اور پکی مسجد بننے سے ظاہر ہے کہ نمازیوں کو راحت ملے گی تو اس طرح قرآنی آیات اور احادیث کے عموم سے مسجد کے پکا بنانے کا جواز بھی ثابت ہوگیا۔ ہاں البتہ پکی مسجد میں نماز پڑھنے پر زیادہ ثواب ملنے کا اعتقاد رکھنا بلا شبہ بدعت ہے، کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔

یہی معاملہ دینی مدارس کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ''صفہ'' کے نام سے جو مدرسہ تھا۔ وہ ایک چبوترہ تھا۔ اس پر چھت بھی کچی سی تھی۔ اب مدارس کے اندر شاندار عمارتیں بن چکی ہیں۔ یہاں پر بھی وہی بات ہے کہ اگر طالب علموں کو راحت پہنچانے کی نیت سے پکی عمارتیں بنائی جائیں گی تو یہ ثواب کا کام ہے لیکن اگر کوئی یوں کہے کہ پکی عمارت میں پڑھنے کا ثواب کچی عمارت میں پڑھنے کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے تو یہ بدعت اور جہالت کی بات ہوگی۔

اذان سے پہلے درود وسلام پڑھنے کا حکم:

اسی سے مروّجہ چند بدعتوں کی حقیقت بھی سمجھ لیجئے۔ آج کل یہ سلسلہ چلا ہے کہ اذانوں سے پہلے " الصلوة والسلام علیك یارسول اللّٰہ ' پڑھا جاتا ہے۔ بلا شبہ درود شریف بہت بڑی نعمت ہے۔ اور اتنی بڑی عبادت ہے کہ جب قرآن وحدیث میں ہم اس کے فضائل پڑھتے ہیں تو جی یہ چاہتا ہے کہ کوئی اور کام ہی نہ کریں۔ بس درود شریف ہی پڑھتے رہیں۔ بہت ہی خیروبرکت کی چیز ہے۔ دین ودنیا کی کامیابی اس میں مضمر ہے۔ لیکن اس موقع پر دورد شریف پڑھنے کا کوئی ثبوت

نہیں۔ جو اذان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو سکھائی تھی۔ حضرت بلال اسی کے مطابق اذان دیتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں آپ نے حضرت ابومحذورہ کو اذان پر مقرر فرمایا تھا۔ وہ وہاں اذان دیتے تھے، وہی اذان آج تک چلی آ رہی ہے۔ اس اذان کے شروع میں درود شریف پڑھنا ثابت نہیں۔

اگر آج کوئی شخص یہ کہے کہ چونکہ درود شریف کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے اذان کے شروع میں مذکورہ درود کہنے میں کیا حرج ہے تو اس کا جواب ہے کہ یہ بات ٹھیک ہے کہ درود شریف کے فضائل بہت زیادہ ہیں لیکن اس موقع پر درود پڑھنے کی کوئی فضیلت ثابت نہیں۔ اگر اس موقع پر درود شریف پڑھنا باعثِ فضیلت ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہما کو اس کا حکم دیتے اور وہ اپنی اذانوں کے شروع میں اس کا اضافہ فرماتے تو کیا (العیاذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غلطی ہوگئی اور انہیں وہ بات سمجھ میں نہ آئی جو آج تمہاری سمجھ میں آئی۔ اس موقع پر درود شریف پڑھنے کو باعث فضیلت اور ضروری سمجھنا تو ایک قسم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگانا ہے کہ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ہم ان سے بہتر کام کرتے ہیں۔ بھلا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی کام کرسکتا ہے اور دین کے معاملے میں کوئی شخص صحابہ سے آگے بڑھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں تو جب انہوں نے یہ کام نہ کیا تو آج اسے باعث فضیلت سمجھنا بدعت اور جہالت کی بات ہے۔

جنازہ کے ساتھ کلمہ شہادت کا نعرہ لگانا:

اسی طرح جب جنازہ اٹھایا جاتا ہے تو بعض لوگ نعرے لگاتے ہیں ''کلمہ شہادت'' ''اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ'' بلاشبہ کلمہ پڑھنا بہت بڑی فضیلت کی بات ہے

لیکن یہ دیکھو کہ اس موقع پر تاج دار کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا یا نہیں کیا؟ صحابہ کرام نے ایسا کیا تھا یا نہیں؟ اگر کیا تھا یا اس کے کرنے کی ہدایت دی تھی تو ضرور کرو اور اگر نہیں کیا تو تم اسے کیوں کرتے ہو؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کتنے جنازے اٹھائے ہیں اور کتنی بار جنازوں میں اور کفن ودفن میں صحابہ کرام کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ اگر اس موقع پر کلمہ پڑھنا مقصود یا باعثِ فضیلت ہوتا تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اسے چھوڑ دیتے؟

تیجہ اور اس کی قباحتیں:

اسی طرح تیجہ اور سوم کا معاملہ ہے۔ جب کسی کا انتقال ہوا تو تیسرے روز سب جمع ہوگئے۔ قرآن خوانی ہوئی اور مٹھائی یا کھانا وغیرہ کھلایا گیا۔ عام طور پر غریب اور مسکینوں کو کھلانے کے بجائے مالدار لوگ خود کھا جاتے ہیں۔ حالانکہ اصل حکم یہ ہے کہ اگر میت کی روح کو ثواب پہنچانا ہوتو صدقہ وخیرات کرو جس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس طرح صدقہ کرو کہ ایک ہاتھ سے کرو تو دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ جبکہ تیجہ میں دھم دھڑ کا ہوتا ہے اگر غریب کو کھلانا بھی ہوتو گویا سب کے سامنے اعلان کرکے کھلانا ہوا۔ اور پھر یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ تیسرے دن کریں گے تب تو ثواب ملے گا۔ کسی اور دن کریں گے تو پھر ثواب نہیں ملے گا۔ تیسرا دن بھی کوئی ضروری نہیں بلکہ صدقہ کسی اور روز بھی کیا جاسکتا ہے مثلاً چوتھے روز کرلو، دوسرے روز کرلو یا پہلے ہی دن کرلو وغیرہ۔

اس میں ایک اور قباحت یہ پائی جاتی ہے کہ عام طور پر لوگ تیجے وغیرہ کا کھانا میت کے ترکے میں سے کھلا دیتے ہیں۔ مثلاً میت کے گھر میں چاول بھی ہیں۔ گھی بھی رکھا ہے۔ مصالحے وغیرہ بھی موجود ہیں۔ اسی میں چاول پکا کر کھلا دیتے ہیں

اور اگر خریدنا پڑا تو اسی کے پیسوں سے خرید کر پکایا حالانکہ یہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس کا سارا ترکہ حتی کہ نمک مرچ اور سوئی دھاگے تک کا سارا سامان اب میت کی ملک نہیں رہا جبکہ وارثوں کی ملکیت ہوگیا۔ لہٰذا جب تک سارے ورثاء راضی ہوکر یہ فیصلہ نہ کریں کہ ہم اپنے حصے میں صدقہ خیرات کریں گے۔ اس وقت تک اس میں سے صدقہ خیرات کرنا جائز نہیں اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ ہے تو اس کی اجازت کے باوجود بھی اس کا حصہ صدقہ کے لئے استعمال نہیں کر سکتے اس لئے کہ شرعی حکم یہ ہے کہ نابالغ بچہ اگر یہ کہہ بھی دے کہ میری رقم صدقہ خیرات پر خرچ کردو تو بھی اُسے خرچ کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ ناسمجھ ہے اور یہی حکم مجنون کا ہے۔

اب دیکھئے کہ اس میں کتنی خرابیاں ہیں۔ وارثوں کا حق مارا جارہا ہے اور بدعت کا ارتکاب بھی ہورہا ہے۔ اگر کوئی شخص تیجہ نہ کرے تو کہا جاتا ہے کہ ارے فلاں نے تو تیجہ بھی نہ کیا۔ پھر دسواں آجاتا ہے۔ پھر چالیسواں اور پھر برسی آتی ہے حالانکہ شریعت میں تیجہ اور دسواں کا کوئی ذکر ہے اور نہ چالیسویں اور برسی کا۔

گیارھویں کا حکم:

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ گیارھویں کا کیا حکم ہے؟ میں نے جواب دیا کہ قرآن مجید میں تو کہیں گیارھویں کا ذکر نہیں ہے اور نہ حدیث میں اور نہ فقہ کی کتابوں میں۔اس لئے ہم تو اس کا حکم جانتے نہیں اگر کوئی دین کی بات ہوتی تو ہم جان گئے ہوتے یہ بات تو دین کی کسی کتاب میں لکھی ہوئی نہیں۔ اس لئے ہم تو جانتے نہیں، آپ ہی جانتے ہوں گے۔

نماز باجماعت کے بعد زور سے کلمہ طیبہ پڑھنا:

اسی طرح بعض مسجدوں میں دیکھتے ہیں کہ نماز کے سلام پھرنے کے بعد

زور زور سے لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ یہ بہت اونچا اور عظمت والا کلمہ ہے۔ آدمی مسلمان ہی اس کلمہ سے ہوتا ہے لیکن اس کا موقع یہ نہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا سلام پھیرتے تو فرماتے استغفر اللہ، استغفر اللہ، تین مرتبہ کہتے تھے۔ (مشکوۃ المصابیح، باب الذکر بعد الدعاء، رقم الحدیث ۹۶۱)

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ استغفار سے بہتر تو کلمہ ہے تو پھر اسے کیوں نہ پڑھا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ کلمہ طیبہ استغفار سے بہتر اور افضل ہے لیکن اس موقع پر أستغفر اللہ کہنا افضل ہے اس لئے کہ ہمارے آقا نے اس موقع پر یہی کہا۔ ہمارے آقا، ماوٰی اور ملجأ تاجدار کونین سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو طریقہ انہوں نے کر کے بتلا دیا۔ وہی طریقہ افضل ہے۔ اس جیسا طریقہ دنیا کی کوئی طاقت لا نہیں سکتی۔ نہ کوئی فرشتہ لاسکتا ہے، نہ کوئی عالم اور مجتہد لاسکتا ہے اور نہ کوئی امام لاسکتا ہے۔

بدعت کرنے والوں کی مثال:

ایک بات اور بھی سمجھ لیجئے۔ وہ یہ کہ عام طور پر بدعت کرنے والوں کی نیت بری نہیں ہوتی، جذبہ ہوتا ہے زیادہ ثواب کمانے کا لیکن سمجھ کی غلطی کی وجہ سے ان کا طریقہ غلط ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ثواب زیادہ حاصل کرنے کے بجائے اصل ثواب سے بھی محرومی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ثواب تو اس صورت میں ملتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق عمل ہوگا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے گا تو فائدے کے بجائے الٹا نقصان ہوگا۔ ایسے شخص کی مثال شیخ چلی کی سی ہو جائے گی۔

شیخ چلی کے بارے میں طرح طرح کے لطیفے مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ اس کی

والدہ نے اسے ایک پیسہ دیا کہ اس کا تیل لے آؤ اور پیالہ بھی دے دیا اور ساتھ یہ ہدایت کی کہ جب بھی دکاندار سے کوئی چیز لو تو اسے کہا کرو کہ اور بھی ڈال دو۔ یہ سیدھا سادا آدمی تھا۔ ماں کی ہدایت کو پلے باندھ کر دکان کی طرف گیا۔ ایک پیسہ کا تیل خریدا۔ دکاندار نے پیالہ بھر کر تیل دیا۔ شیخ چلی نے کہا اور بھی ڈال۔ دکاندار بولا بھائی اس میں تو جگہ ہی نہیں۔ سارا پیالہ تو بھر گیا۔ شیخ چلی نے پیالہ الٹا کیا اور اس کا پیندا سامنے کر کے کہا کہ اس میں ڈال دو۔ دکاندار سمجھ گیا لیکن اس کی دلداری کے لئے اس پیندے میں تیل ڈال دیا۔

اب یہ بڑا خوش خوش گھر جا رہا تھا کہ والدہ نے جس طرح حکم دیا تھا ویسا ہی عمل کیا۔ جب والدہ کے پاس پہنچا تو اس کی ماں نے یہ منظر دیکھ کر کہا بیٹے صرف اتنا تیل لے کر آئے ہو۔ کہنے لگا نہیں امی! ادھر بھی ہے۔ (اور اُسے الٹایا) تو جو تھوڑا سا تیل تھا وہ بھی گیا۔ یہی حال اس شخص کا ہے جس کو زیادہ ثواب کی ہوس ہوتی ہے لیکن طریقہ صحیح اختیار نہیں کرتا تو ایسا شخص شیخ چلی کے علاوہ اور کیا بنے گا؟

صرف نیت کا اچھا ہونا کافی نہیں

بہت سے گناہوں میں ملوث لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نیت تو بہت اچھی ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ صرف نیت کا اچھا ہونا کافی نہیں بلکہ طریقے کا صحیح ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ نیت تو کافروں کی بھی اچھی ہوتی ہے۔ ہندو جو عبادت کرتے ہیں کیا ان کی کوئی دنیا کی نیت ہوتی ہے وہ رام رام کر کے جس طرح بتوں کو پوجتے ہیں۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہیں لیکن چونکہ ان کا طریقہ شریعت کے مطابق نہیں۔ اس لئے وہ مردود ہیں۔

جب نیت بھی صحیح ہو اور طریقہ بھی شریعت کے مطابق ہو تو اللہ تعالیٰ کی

نصرت آتی ہے، قبولیت ہوتی ہے اور مسلمان کامل مسلمان بنتا ہے۔ اور جب کبھی اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد نہیں آتی تو ان دو شرطوں میں سے کسی ایک شرط کی کمی ہوتی ہے۔

سنت اور بدعت کی مثال:

سنت اور بدعت کی مثال سمجھ لیجئے۔ آپ تختہ سیاہ (Black board) پر کوئی ہندسہ لکھیں اور پھر اس کے دائیں طرف صفر (Zero) لگائیں تو وہ دس گنا بڑھ جائے گا۔ پھر ایک صفر لگائیں تو اور بڑھ جائے گا غرضیکہ جتنے صفر لگاتے جائیں گے۔ وہ ہندسہ بڑھتا رہے گا۔ یہ سنت کی مثال ہے کہ اس پر عمل کرنے سے نیکیوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔اس کے برعکس اگر آپ اس ہندسے کے بائیں طرف صفر لگاتے رہیں تو عدد میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ آپ جتنے صفر لگانا چاہیں لگاتے رہیں، لیکن اس سے عدد کی قیمت میں کوئی فرق نہیں الٹی ساری محنت بے کار جائے گی۔ یہ بدعت کی مثال ہے کہ اس کے ارتکاب سے نیکیوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ خسارہ ہی خسارہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمین

سُنّت کا مفہوم اور
اتباعِ سُنّت کی اہمیّت

موضوع سنت کا مفہوم اور اس کی اہمیت
مقرر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
ضبط و ترتیب مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام محمد ناظم اشرف

﴿سنت کا مفہوم اور اس کی اہمیت﴾

خطبہ:

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہٖ الکریم،

امابعد!

باب فی الأمر بالمحافظة علی السنة و آدابها

قَالَ اللّٰهُ تَعالٰی: وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوه وَما نَهاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوه (الحشر، ۷) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم، ۳،۴) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ط

(آلِ عمران: ۳۱)

تمہید:

گذشتہ مجلسوں میں ان اعمال کی تفصیل بیان کی گئی تھی جو بہت ہی آسان اور بڑے اجر و ثواب والے اعمال تھے جیسے راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا، مسجد کی

صفائی کرنا، لوگوں سے مسکرا کر ملنا وغیرہ وغیرہ۔ آج کی مجلس سے ہم ایک اہم باب کا آغاز کر رہے ہیں۔ یہ باب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے متعلق ہے[1]۔ یہ بہت اہم باب ہے۔ ہر مسلمان کو ہر آن اور ہر لمحے اس سے رہنمائی ملتی ہے۔

''سنت'' کے لفظی اور اصطلاحی معنی:

لفظ ''سنت'' آپ کثرت سے سنتے ہیں۔ اس کا مفہوم ذرا تفصیل سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ لفظ ''سنت'' کے لغوی معنی ہیں ''طریقہ''۔ جب یوں کہا جائے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی سنت'' تو اس کا مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ۔ کس چیز میں طریقہ؟ پوری زندگی کے اعمال میں، زندگی کے تمام شعبوں میں۔

شریعت کی اصطلاح میں لفظِ ''سنت'' دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نماز اور وضو وغیرہ میں آپ پڑھتے ہیں کہ نماز میں اتنی سنتیں اور وضو میں اتنی سنتیں ہیں اور اتنے فرض، اتنے واجبات اور شرائط ہیں۔ اس جگہ سنت سے مراد ہوتا ہے ''واجب سے کم درجے کے اعمال''۔ لیکن آج ہم جس باب کا آغاز کر رہے ہیں، اس جگہ سنت کے یہ معنی مراد نہیں بلکہ دوسرے معنی مراد ہیں۔ نہ صرف یہاں بلکہ عام طور پر قرآن و سنت کی اصطلاحات میں جب لفظِ ''سنت'' بولا جاتا ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ، خواہ وہ فرض ہو یا واجب، سنتِ موکدہ ہو یا غیر موکدہ، آداب میں سے ہو یا شرائط میں سے، یہ سب سنت کے اصطلاحی مفہوم میں داخل ہیں۔ مثلاً ایمان لانا تو سب سے بڑا فرض ہے، جس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا، وہ بھی سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، اسی طرح ہم نماز

---

[1] باب کا عنوان ہے: "باب فی الامر بالمحافظة على السنة و آدابها" (ملاحظہ فرمائیے: ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۸۶)، مرتب

ادا کرتے ہیں مثلاً صبح کو دو فرض، ظہر میں چار فرض، عصر میں چار فرض، مغرب میں تین اور عشاء میں چار فرض پڑھتے ہیں، یہ پانچ نمازیں بھی سنت ہیں حالانکہ فرض ہیں لیکن اِس اعتبار سے سنت ہیں کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے زکوٰۃ بھی سنت ہے اور روزہ بھی، حج بھی سنت ہے اور ایمان بھی اور کلمہ توحید و شہادت کہنا بھی سنت ہے۔ غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال جو احادیث میں بیان کئے گئے ہیں، وہ سب کے سب سنت ہیں کیونکہ وہ آپ کا طریقہ ہیں۔ البتہ پھر حکم کے اعتبار سے کوئی فرض ہے اور کوئی واجب، کوئی سنت ہے اور کوئی مستحب۔

اِسی سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ پاکستان کے آئین میں جو یہ عبارت درج ہے کہ اس ملک کا کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا، اس سے مراد بھی یہی دوسرے معنی ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے جو کچھ ثابت ہے، اس کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔

غلط فہمی کی وجہ:

عام طور پر سنت کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہ واجب نہیں۔ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے اور یہ مغالطہ اس وجہ سے لگتا ہے کہ جب نماز وغیرہ میں فرائض اور سنتوں کو گنوایا جاتا ہے تو اس وقت سنت سے مراد ''واجب سے کم درجے کا عمل'' ہوتا ہے۔ تو اس مغالطہ کی وجہ سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جب بھی اور جہاں بھی سنت کا لفظ بولا جائے گا، تو اس سے واجب سے کم درجے کا عمل مراد ہوگا۔

''داڑھی رکھنا سنت ہے'' اس کا صحیح مطلب:

اسی سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایک مشت کے برابر

داڑھی رکھنا اور جب تک مشت بھر سے بڑھ نہ جائے، اُسے نہ کاٹنا ''سنت'' ہے تو عام طور پر لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ واجب نہیں۔ یہ سمجھنا بالکل غلط ہے، داڑھی رکھنا واجب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بار بار حکم دیا ہے اور تاکید سے حکم دیا ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کا حکم دیں تو وہ فرض اور واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا داڑھی رکھنا اس معنی میں تو سنت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ واجب نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے، اس لئے یہ واجب ہے۔ اس کا کٹوانا گناہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے۔

چار بنیادیں:

دوسری بات یہ ہے کہ شریعت کے احکام صرف چار چیزوں سے ثابت ہو سکتے ہیں، قرآن سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یعنی آپ کے قول سے یا فعل سے یا اجماع سے یا قیاس سے۔ یہ چار بنیادیں ہیں اور جتنے شرعی احکام ہیں، وہ سارے کے سارے انہی میں سے کسی سے ثابت ہیں۔

قرآن وسنت:

قرآن مجید میں اگرچہ بہت سے احکام آ گئے تاہم سارے احکام کا بیان نہیں آیا۔ بعض احکام کے صرف اصول بیان کئے گئے، بعض جگہ صرف اشارہ دے دیا گیا، کہیں صرف ایک روح دے دی گئی اور باقیوں کے بارے میں کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ارشاد فرمائیں، تم اس کی پیروی کرو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

(الحشر، ۷)

''سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو''۔

گویا سارے احکام بیان کرنے کے بجائے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دے دیا کہ یہ ہمارے رسول ہیں، یہ اپنی طرف سے دین کی باتیں نہیں کرتے، جو کچھ ہم کہتے ہیں، وہی باتیں یہ آپ کو بتلاتے ہیں۔

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ○ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ○

(النجم،۳،۴)

''اور نہ خواہشِ نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ تو حکمِ خدا ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے''

لہٰذا یہ جس چیز کا حکم دیں، اسے کرتے جاؤ اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ پھر قرآن مجید میں سنت کی اہمیت کے بارے میں آیت ملتی ہے:

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ أَطَاعَ اللّٰهَ ط (النساء:۸۰)

''جو شخص رسول کی فرمانبرداری کریگا تو بیشک اس نے خدا کی فرمانبرداری کی''۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ جتنے بھی شرعی احکام احادیث میں بیان ہوئے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہوئے درحقیقت وہ احکام قرآن ہی سے بالواسطہ ثابت ہو گئے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع قرآن کا اتباع ہے۔

اجماع:

تیسری چیز اجماع ہے۔ اجماع سے حکم ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ

ایک زمانے کے پوری امت کے جتنے مجتہدین ہیں اگر وہ کسی حکم پر متفقہ فیصلہ کردیں تو وہ اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ اِس امت کے فقہاء، مجتہدین خواہ وہ کسی بھی زمانے میں ہوں، اگر سب کے سب مل کر متفقہ طور پر یہ فیصلہ کریں کہ یہ چیز حلال ہے یا یہ چیز حرام ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی حلال ہے یا وہ اللہ کے نزدیک بھی حرام ہے۔ اس کی دلیل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا:

لاتجتمع أمتی علی الضلالة

میری امت کسی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔[1]

یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ ساری امت کسی گمراہی کے کام پر متفق ہوکر کہنے لگے کہ یہ جائز ہے، یہ کبھی نہیں ہوگا۔ اگرکوئی جائز کہنا چاہے گا تو دوسرے لوگ اس کی مخالفت کریں گے۔ اور اگرکوئی اس کی مخالفت نہ کرے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت عطا فرمائی ہے اور ان کا فیصلہ درست ہے۔ امت کے فیصلے سے مراد امت کے مجتہدین اور فقہاء کا فیصلہ ہے۔

اجماع کی حجیت قرآن کریم سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَ سَآءَتْ مَصِیْراً O (النساء: ۱۱۵)

”اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالف

---

[1] یہ حدیث تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ آٹھ صحابہ کرام سے مروی ہے۔ البتہ اتنا جملہ مشترک ہے ”امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر متفق نہیں کرے گا“ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: فقہ میں اجماع کا مقام از مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم) مرتب

کرے اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر چلے
تو جدھر وہ چلے گا ہم اُسے ادھر ہی چلتا کر دیں گے اور (قیامت
کے دن) اُسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے"۔

یعنی جو شخص تمام مومنین سے مختلف راستہ اختیار کرے گا اسے ہم جہنم میں پھینکیں گے۔ معلوم ہوا کہ تمام مومنین کا جو متفقہ فیصلہ ہو جائے، اس کے برخلاف کرنا جائز نہیں۔

قیاس:

چوتھی چیز "قیاس" ہے۔ عام طور پر لوگ قیاس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے اخبارات میں قیاس آرائیاں ہوتی رہتی ہیں، یہ قیاس بھی ویسا ہی ہوتا ہوگا۔ یہ خیال درست نہیں۔ قیاس کا عمل ایک بہت مشکل کام ہے۔ ہر ایک کے بس کا کام نہیں اور ہر ایک کے اندر اس کی صلاحیت بھی نہیں ہوتی۔ بڑے بڑے علماء اور فقہاء عمریں خرچ کرتے ہیں تب کہیں جا کر ان کے اندر یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ قیاس کر سکیں۔

قیاس کی حقیقت:

اس کی حقیقت جاننے کے لئے لمبی تفصیل درکار ہے۔ آپ صرف اتنا سمجھ لیں کہ اگر کوئی حکم قرآن، حدیث یا اجماع سے ثابت ہے، پھر کوئی ایسا معاملہ پیش آ گیا جس کا صریح حکم نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث اور نہ اجماع میں، لیکن یہ معاملہ پہلے معاملے سے ملتا جلتا ہی ہے تو جو حکم پہلے معاملے کا تھا، وہی اس کو بھی دے دیتے ہیں، اِس عمل کا نام قیاس ہے۔ مثال کے طور پر گندم کو گندم کے مقابلہ میں کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں مثلاً ایک شخص ایک کلو گندم دے رہا ہے اور دوسرے سے ڈیڑھ کلو گندم اس کے بدلے میں لیتا ہے تو یہ جائز نہیں، حرام ہے۔ سنت میں

اسے سود قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد موجود ہے۔ اب غور کیجئے کہ گندم کے بارے میں تو یہ حکم آ گیا لیکن چاول کے بارے میں حدیث میں یہ حکم نہیں آیا کہ اگر ایک کلو چاول کے بدلے میں ڈیڑھ کلو چاول لے لیا جائے تو وہ جائز ہے یا نہیں؟ تو چاول کے معاملے میں فقہاء اور مجتہدین نے قیاس کیا چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو حکم گندم کا ہے وہی حکم چاول کا بھی ہے یعنی جس طرح ایک کلو گندم کے عوض میں ڈیڑھ کلو گندم لینا جائز نہیں، اسی طرح ایک کلو چاول کے عوض میں ڈیڑھ کلو چاول لینا بھی جائز نہیں۔ گویا چاول کے اندر گندم والے حکم کو ثابت کرنا قیاس ہے۔

قیاس کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں:

میں نے آپ کے سامنے قیاس کو آسان سے انداز میں سمجھا دیا، لیکن قیاس کے لئے نجانے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، کتنے پہلوؤں کو دیکھنا پڑتا ہے، کتنی چیزوں کا جائزہ لینا پڑتا ہے، کتنی باریکیوں میں جانا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر قیاس سے حکم ثابت کرنا ممکن ہوتا ہے۔ یہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ مجھ جیسے آدمی کا کام نہیں ہے، بڑے بڑے مجتہدین اور ائمہ کا کام ہے۔ ہر مفتی کا کام نہیں اور ہر عالم بھی نہیں کرسکتا بلکہ صرف مجتہد قیاس کرسکتا ہے۔

قیاس کی بنیادی شرط:

یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ قیاس الل ٹپ نہیں ہوتا بلکہ بہت سے اصول وشرائط کا پابند ہوتا ہے۔ ان میں سے بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ قرآن سے لیا جائے گا، حدیث سے لیا جائے گا یا پھر اجماع سے لیا جائے گا، ان تین ماخذ کے علاوہ اگر کہیں اور کوئی

بات آئی ہے مثلاً کسی قانون کی کتاب میں کوئی بات لکھی ہوئی ہے تو اس پر قیاس کر کے شرعی حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا اور قیاس معتبر بھی نہیں۔

یہ رویہ ہرگز درست نہیں:

اسی تفصیل سے آپ یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ آج کل بہت سے جاہل اپنے آپ کو مجتہدین کے مقام پر لا کر کھڑا کرتے ہیں اور پھر اناپ شناپ باتیں کرتے ہیں۔ ابھی سپریم کورٹ کے اندر سرکاری وکیل نے جو اناپ شناپ باتیں کی ہیں، وہ آپ نے سن لی ہوں گی۔ ربا (سود) کے بارے میں کہا کہ ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مکروہ ہوتا ہے اور دوسرا حرام ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خنزیر کے گوشت کی بھی دو قسمیں ہوں گی، ایک مکروہ، دوسرا حرام۔ اِن جیسے لوگوں کا رویہ ہرگز درست نہیں۔

غیر عالم کے مسئلہ بتانے کا حکم:

اگر کوئی شخص عالم دین نہیں اور کسی عالم دین کے علم، تقوی اور دیانت پر اُسے اعتماد ہے تو اس سے مسئلہ معلوم کرے، وہ جو مسئلہ بتا دے، آنکھیں بند کر کے اس پر عمل کرے، انشاء اللہ سیدھا جنت کا راستہ ہے اور جو شخص عالم دین نہیں یا قابل اعتماد عالم دین نہیں، اس کا تقوی قابل اعتماد نہیں، اگر وہ کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جو علماء کرام کے بیان کردہ مسئلہ کے خلاف ہے تو آپ اس سے یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ شریعت کا حکم چار چیزوں سے ثابت ہوتا ہے، آپ جو حکم بیان کر رہے ہیں، یہ کونسی چیز سے ثابت ہے؟ اگر قرآن سے ثابت ہے تو آیت بتلاؤ، سنت سے ثابت ہے تو حدیث دے دو، اجماع سے ثابت ہے تو اس کا حوالہ دے دو کہ کس زمانے کے

مجتہدین نے یہ فیصلہ کیا، اور اگر قیاس سے ثابت ہے تو بتاؤ کونسے مجتہد نے یہ قیاس کیا ہے۔ اگر نہیں بتا سکتے تو تمہاری یہ بات ناقابل اعتماد ہے، اسے اپنے پاس رکھو، شریعت کے سر نہ منڈو۔

سنت کی پیروی کے درجات:

مذکورہ تفصیل کے بعد اب ہم اِس باب کی تشریح بیان کرتے ہیں۔ آج ہم اِس باب کا آغاز کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی پابندی لازم ہے، آپ کی سنت کی پیروی ضروری ہے۔ پیروی کے مختلف درجات ہیں۔ کہیں یہ پیروی فرائض میں ہوگی تو کہیں واجبات میں، کہیں سنن میں ہوگی تو کہیں مستحبات میں، کہیں شرائط میں ہوگی تو کہیں آداب میں۔ مثلاً یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھیں اور انہیں فرض قرار دیا تو ہم بھی انہیں فرض کہیں گے۔ یہ سنت بھی ہیں اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اور اس پر عمل کر کے دکھلایا ہے اور چونکہ اسے فرض کہا ہے اس لئے یہ فرض ہیں۔ اور فجر کی نماز سے پہلے جو دو سنتیں ہیں، انہیں آپ نے فرض نہیں کہا، اس لئے ہم بھی انہیں فرض نہیں کہتے، البتہ یہ سنت ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہیں۔

بعض سنتیں فرض و واجب یا سنت نہیں بلکہ مستحب ہیں مثلاً جوتا پہننے کا طریقہ جو سنت سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جب جوتا پہنیں تو دائیں پاؤں میں پہلے پہنیں، بائیں میں بعد میں پہنیں۔ ایسا کرنا ضروری نہیں لہٰذا اگر اس کے برخلاف کرو گے تو گناہ نہیں ہوگا لیکن اگر اس کے مطابق کرو گے تو ثواب ملے گا۔ یہ مستحب عمل ہے لیکن اسے سنت بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اسی طرح تھا۔

اِس باب میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی

آپ کے طریقے کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

پہلی آیت:

”وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْہُ۔
(الحشر:۷)

”اور جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں، اس سے باز رہو“۔

”دینا“ کئی طریقے سے ہوتا تھا، کبھی ہاتھ سے اٹھا کر کوئی چیز دے دی، روپیہ پیسہ دے دیا، کبھی زبان سے کوئی حکم یا ہدایت دے دی کہ فلاں کام کرو، فلاں نہ کرو، فلاں جگہ چلے جاؤ، بیویوں کے حقوق ادا کرو، رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی دیں، اُسے لے لیا کرو یعنی اُسے قبول کرو، اگر مال و دولت ہے تو اُسے نعمت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تمہیں دلوائی ہے، کوئی ہدایت اور رہنمائی ہے تو اسے زندگی بھر کے لئے اپنے لئے مشعلِ راہ بناؤ۔ اور جس چیز سے روکیں، اس سے رک جاؤ یعنی جس جس گناہ سے بھی آپ روک دیں، اس کی خلاف ورزی نہ کرو۔

اصل شرعی ضابطہ:

اصل شرعی ضابطہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی چیز کا حکم دے دیں تو وہ فرض ہو جاتی ہے اور جب کسی چیز سے روک دیں تو وہ حرام ہو جاتی ہے البتہ اگر قرائن وغیرہ سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرض کے طور پر نہیں دیا بلکہ شفقت کے طور پر رہنمائی فرمائی ہے تو وہ فرض یا حرام نہیں

ہوتا۔ اس کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں۔ کبھی موقع ملا تو عرض کر دیں گے۔ البتہ آپ اتنی بات یاد رکھیں کہ اصل ضابطہ یہی ہے کہ آپ کے حکم پر عمل کرنا فرض ہے، صحابہ کرام کے اندازِ اتباع سے بھی یہی بات سامنے آتی ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، سامنے کچھ لوگ کھڑے ہوں گے، آپ نے ان سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اس وقت حضرت عبداللہؓ بن مسعود اپنے گھر سے مسجد نبوی کی طرف آ رہے تھے۔ راستے میں تھے کہ کانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز پڑی تو وہیں راستے میں بیٹھ گئے۔ یہ تحقیق بعد میں کی کہ اس حکم کے مخاطب کون تھے۔ چونکہ الفاظ عام تھے اس لئے جب آپ نے یہ حکم سنا تو اس سے سمجھ لیا کہ میرے لئے بیٹھنا فرض و واجب ہو چکا ہے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ان لوگوں کو بٹھانا تھا جو سامنے کھڑے تھے لیکن اس وقت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ کی کیا مراد ہے؟ البتہ اس اصول کو جانتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آ جائے تو اس کی تعمیل فرض ہو جاتی ہے اور اسکی خلاف ورزی کرنا حرام ہو جاتا ہے لہٰذا فوراً زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ آپ کی شانِ تفقہ ہے۔ آپ کا تفقہ صحابہ کرام کے درمیان معروف تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فقہ زیادہ تر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ سے ماخوذ ہے۔

بعض مرتبہ حکم فرضیت کے لئے نہیں ہوتا:

البتہ بعض مرتبہ حکم فرضیت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ دیگر مقاصد کے لئے ہوتا ہے مثلاً بعض مرتبہ یہ بتانے کے لئے ہوتا ہے کہ اب یہ کام جائز ہو گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ حالت احرام میں کسی قسم کا شکار کرنا جائز نہیں، حرام ہے لیکن جب

حاجی احرام سے فارغ ہو جائے تو اس کے لئے شکار کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ اس مضمون کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا کہ:

﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ (المائدہ،٢)

''جب تم حالت احرام سے نکل آؤ تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو''۔

اب اس حکم کا یہ مطلب نہیں کہ جب حالت احرام ختم ہو جائے تو سب بندوقیں لے لے کر شکار کرنا شروع کر دو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب شکار کرنے کی ممانعت ختم ہو گئی اور شکار کرنا جائز ہو گیا۔ اب اگر یہاں بھی فرضیت کے معنی میں قرار دیں گے تو مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔

لطیفہ:

ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک دیہاتی صاحب کسی کام سے شہر میں آئے اور کسی کام کے لئے انہیں کسی سرکاری عمارت میں جانا پڑا جو کئی منزلہ تھی۔ وہاں شہر میں اپنے کسی عزیز کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب اس عمارت میں کام سے فارغ ہو کر واپس آئے تو بہت تھکے ہوئے تھے، حالت خراب تھی اور کہہ رہے تھے: توبہ توبہ، میرا تو حلق خشک ہوا، کیسا ظلم ہے، کیا مصیبت ہے، عزیز نے پوچھا: صاحب کیا قصہ ہوا؟ کہنے لگے کہ جب عمارت کے گیٹ میں داخل ہوا تو وہاں ایک گملہ رکھا ہوا تھا، اس پر لکھا تھا اس میں تھوکیے تو میں نے اس میں تھوک دیا۔ آگے بڑھا تو ایک اور گملہ رکھا تھا، اس پر لکھا تھا اس میں تھوکیے تو میں نے اس میں بھی تھوک دیا۔ جتنا بھی آگے بڑھتا رہا، ہر جگہ یہی لکھا ہوا نظر آیا تو میں بھی ہر ایک گملے میں تھوکتا رہا۔ تھوکتے تھوکتے تھک گیا۔ پھر واپسی پر بھی یہی قصہ پیش آیا۔ اب میرا تو حلق خشک ہو چکا ہے۔ تمہارا

شہر کیسا ظالم ہے؟ اب وہ صاحب جو بات سمجھے، وہ غلط تھی بلکہ قرائن سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تھوکنا ہے تو اس میں تھوکو۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ اس میں ہر مرتبہ ضرور تھوکو۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کا حکم:

اسی طرح کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یا فعل کسی عمل کے مستحب ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع کیا، لیکن ایک موقع پر آپ نے کھڑے ہو کر پانی پی لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا منع کرنا حرام ہونے کے لئے نہ تھا اس لئے کہ اگر کھڑے ہو کر پانی پینا حرام ہوتا تو آپ کبھی اس کا ارتکاب نہ کرتے البتہ ایسا کرنا ادب کے خلاف ہے اور آپ کا یہ فعل کرنا یہ بتلانے کے لئے تھا کہ یہ جائز ہے، ناجائز نہیں البتہ ادب کے خلاف ہے۔

دوسری آیت:

﴿وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى ٥ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى﴾

(النجم، ۴)

''اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے''۔

یعنی دینی معاملات میں آپ جو کچھ فرماتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہوتا مثلاً فلاں چیز جائز ہے، فلاں ناجائز ہے، فلاں فرض ہے، فلاں واجب ہے، فلاں عمل کا اتنا ثواب ہے وغیرہ، یہ دین کی

باتیں ہیں، ان میں سے کوئی بات آپ اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے البتہ یہاں دنیا کے معاملات مراد نہیں مثلاً کسی کو مشورہ وغیرہ دے دیا یا کوئی اور بات کہہ دی وغیرہ تو وہ یہاں مراد نہیں۔ اِس تفصیل سے بھی یہی معلوم ہوا کہ آپ کی ہدایات اور احکام کی پیروی فرض و واجب ہے۔

تیسری آیت:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِی يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (آل عمران: ۳۱)

”(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا“۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے، اگر وہ آپ کی پیروی نہیں کر رہا تو اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے کہ میں اللہ سے محبت کرتا ہوں۔ اور آپ کی پیروی یہی ہے کہ آپ نے جس کام کے کرنے کا حکم دیا، اسے کرو اور جس سے منع کیا، اس سے باز آجاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے دو فوائد:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کے دو نتائج اور فوائد ظاہر ہوں گے۔

(۱) يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا)۔ یہ ایک عجیب بات ہے۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ آپ کسی سے محبت کریں تو آپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرے، چنانچہ اگر ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں تو ہمارے

دل میں بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرنے لگے اور اس سے بڑھ کر ہمارے لئے سعادت کی اور کیا بات ہوگی کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ بنا دیا کہ تم مجھ سے جتنی محبت کرنا چاہو، کرو لیکن تمہاری محبت اس وقت معتبر ہوگی جب تم میرے رسول کی پیروی کرو گے۔ جب تم میرے رسول کا اتباع کرلو گے تو میں محبت کا جواب محبت سے دوں گا اور اگر میرے رسول کی پیروی نہ کی تو میری طرف سے محبت کا جواب محبت سے نہیں ملے گا۔

(۲) وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ (اور تمہارے گناہوں کو بخش دیگا) معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے سے جس طرح انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے، اسی طرح اگر اس سے گناہ ہو بھی جائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دیتے ہیں۔

صحابہ کرام کا اتباعِ سنت:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے آپ کو سنت کے سانچے میں مکمل طور پر ڈھال دیا تھا، لباس و پوشاک میں، گفتگو میں، کھانے پینے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، چلنے پھرنے میں، نماز میں، عبادات میں، معاملات میں، تجارت میں، محنت و مزدوری میں غرضیکہ ہر چیز میں وہ دیکھتے تھے کہ ہمارے رسول کا اس میں کیا طریقہ تھا؟ چنانچہ اس کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معمول:

امیر المومنین حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ جو عالم اسلام کے عظیم حکمران تھے۔ جن کے بھیجے ہوئے دستوں نے اس وقت کی دو سپر پاور حکومتوں کو زیر کیا، کسریٰ

اور قیصر کو۔ یہ دونوں سپر طاقتیں شمار ہوتی تھیں۔ اس وقت کی ساری دنیا دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی، ایک حصہ کسریٰ کے ماتحت تھا اور دوسرا حصہ قیصر کے زیرنگین تھا۔ آپ کے دور میں ان دونوں کو ملیا میٹ کر کے اسلام کا جھنڈا بلند کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اتنے بڑے منتظم (Administrator) تھے کہ اسلام کے کھلے دشمنوں نے بھی آپ کے حکومتی نظم و ضبط کو سراہا اور اُسے قابل تقلید قرار دیا۔ متحدہ ہندوستان میں انگریز کے دورِ حکومت میں جب الیکشن ہوئے اور کانگریس کو بھاری کامیابی حاصل ہوئی جس کی وجہ سے کانگریس کے لیڈر گاندھی وزیراعظم مقرر ہوئے۔ وزیراعظم بننے کے بعد اس نے اپنے وزیروں کے نام جو ہدایت نامہ بھیجا، اس میں یہ بھی کہا: تمہیں صدیوں بعد اب حکومت مل رہی ہے۔ اگر تم کامیاب حکومت کرنا چاہتے ہو تو ویسی حکومت کرو جیسی ابوبکر اور عمر نے کی۔ (گاندھی کو نمونے کے طور پر پیش کرنے کے لئے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی نہیں ملا) اس جملے پر ہندوؤں نے بہت ناک بھوں چڑھائے اور کہا کہ تم نے مسلمانوں کے سامنے ہماری ناک کٹوا دی۔ گاندھی نے جواب دیا کہ میں کیا کروں پوری تاریخ میں مجھے اتنے بڑے کامیاب حکمران اور کوئی ملتے ہی نہیں۔

اتنے بڑے عظیم حکمران اور منتظم ہونے کے باوجود ان کا طریقہ اور معمول یہ تھا کہ جب کوئی معاملہ یا مقدمہ یا کوئی بھی واقعہ پیش آتا جس کا شرعی حکم آپ کو معلوم نہ ہوتا تو صحابہ کرام کو جمع کر کے فرماتے کہ فلاں واقعہ پیش آیا ہے، اسکے بارے میں ہمیں فیصلہ کرنا ہے۔ کیا تم میں سے کسی نے اسکے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول سنا یا کوئی فعل دیکھا ہے۔ اگر کوئی کہتا کہ میں نے سنا یا دیکھا ہے تو فرماتے اچھا اس پر گواہ لے آؤ۔ اور جب گواہی آنے کے بعد اطمینان ہو جاتا کہ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا تھا یا اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا تو آپ

بھی اسی پر عمل کرتے اور مملکت کا قانون بھی وہی بن جاتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کامیاب حکمران ہونے کا راز:

صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کامیاب حکمران ہونے کا راز ہی یہی تھا کہ آپ کامل متبع سنت تھے، واقعہ یہ ہے کہ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے اور پھر اپنے آپ کو اسی کے سانچے میں ڈھالا جائے تو زندگی اتنی خوشگوار، اتنی آسان، اتنی کامیاب اور اتنی قابل رشک بن جائے کہ لوگ دیکھ دیکھ کر حیرت کریں۔ میں یہ بات صرف عقیدت کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا بلکہ واقعات کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی آپ کے طریقوں کے مطابق زندگی گذارتا ہو، وہ ہردلعزیز ہوتا ہے۔

سنت کے تفصیلی مطالعہ کی ضرورت ہے:

سنت پر عمل کرنے کے لئے آپ کی پوری زندگی کی تفصیلی معلومات حاصل کرنا ضروری ہے مثلاً یہ کہ آپ صبح کو اٹھ کر کیا کرتے تھے، غسل اور استنجاء کے لئے کس طرح جاتے تھے، وہاں سے کس طرح آتے تھے، وضو کس طرح کرتے تھے، نماز کے لئے کس طرح جاتے تھے، سنتیں کس طرح پڑھتے تھے، نماز کس طرح ادا کرتے تھے، دعا کس طرح مانگتے تھے، نماز کے بعد اپنے ساتھیوں سے باتیں کس طرح کرتے تھے۔ (روایات میں آتا ہے کہ آپ فجر کی نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے، کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتو وہ سناتا تھا، کبھی کبھی دل لگی کی باتیں بھی ہوتی تھیں، آپ ہنستے بھی تھے، ہنساتے بھی تھے) پھر گھر میں آکر کیا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھئے، ام سلمہ

رضی اللہ عنہا سے پوچھئے، حفصہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما سے پوچھئے، ان ازواج مطہرات سے پوچھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لا کر اپنی بیویوں کے ساتھ کس طرح بات کیا کرتے تھے، گھر کے کام کاج میں کس طرح حصہ لیتے تھے۔

گھر سے باہر کیا کام کرتے تھے، جب کوئی مہمان آتا تو اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہوتا تھا، دشمنوں سے بات کرتے تھے تو کیسی بات ہوتی تھی، اپنوں سے بات ہوتی تو کس طرح ہوتی تھی، جب بکریاں چرائیں، تو کس طرح چرائیں تھیں، تجارت کس طرح کی تھی، اور جب اتنی بڑی حکومت سنبھالی جو آج تقریباً ایک درجن ملکوں پر پھیلی ہوئی ہے تو اس حکومت کو کس طرح چلایا تھا، عدالت میں فیصلے کن اصولوں پر کرتے تھے، جہاد میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہوتا تھا اور دشمنوں کے ساتھ کیسا معاملہ ہوتا تھا، بہادری اور شجاعت کیسی ہوتی تھی، سفر کس طرح فرماتے تھے، سفروں میں نمازیں کس طرح ادا کرتے تھے، جب رات کو گھر میں جاتے اور نیند کے لئے لیٹتے تو کس طرح لیٹتے تھے، آپ کے سرہانے کیا رکھا ہوا ہوتا تھا۔ یہ ساری تفصیلات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

سنت پر عمل کرنے کے طریقے:

اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کی پیروی کس طرح کی جائے۔ اس کے دو راستے ہیں اور دونوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

پہلا طریقہ:

ایک یہ ہے کہ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس سرہ کی بڑی مشہور کتاب ہے ''اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' یہ کتاب اردو میں ہے۔ اس میں

آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبح سے شام تک کے معمولات اور طریقے بہت تفصیل سے لکھے ہیں۔ یہ کتاب ہر گھر میں ہونی چاہئے اور ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے، یہ کئی سو صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ہے۔ جن حضرات کے پاس فارغ وقت ہے، وہ چند روز میں پوری کتاب کا مطالعہ کر سکتے ہیں لیکن جو لوگ مصروف ہیں، وہ روزانہ تھوڑا سا وقت اس کے مطالعہ کے لئے طے کر لیں مثلاً سونے کا وقت یا اور جس وقت میں آپ کو آسانی ہو۔ عام طور پر مختصر مطالعے کے لئے سونے سے پہلے کا وقت زیادہ سہولت کا ہوتا ہے اور ایک ورق روزانہ مطالعہ کے لئے مقرر کر لیں۔ اور اس پر عمل کرنے کی نیت سے باقاعدگی سے مطالعہ شروع کر دیں اور جن جن سنتوں کا علم ہوتا جائے ان پر عمل شروع کر دیا جائے، اس طرح ان سنتوں پر عمل بھی ہوگا اور وہ سنتیں آپ کو یاد ہو جائیں گی، کبھی بھولیں گی نہیں۔

دوسرا طریقہ:

دوسرا یہ کہ ایسے بزرگوں کی صحبت میں رہیں جن کے بارے معلوم ہے کہ ان کی زندگی سنت کے مطابق ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ سنت پر عمل کرنے کی مشق سنت پر عمل کرنے والوں کی صحبت میں رہنے سے ہوتی ہے۔ اگر ایسے حضرات نہیں ملتے جن کی زندگی سو فیصد سنت کے مطابق ہو تو جن کی زندگی نسبتاً زیادہ سنت کے مطابق ہو، اس کی صحبت میں رہنا شروع کریں۔

صرف مطالعہ سے مقصد حاصل نہ ہوگا:

اس دوسرے طریقے پر عمل کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ صرف مطالعے سے مقصد حاصل نہ ہوگا بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ صرف مطالعے سے آدمی بعض اوقات جہل

مرکب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کتاب کا مطالعہ کرنے اور اپنی سمجھ کے مطابق اس پر عمل کرنے کے بعد یہ سمجھے گا کہ میں تو بڑا متقی اور پرہیزگار ہو گیا، میں تو ساری سنتوں پر عمل کر رہا ہوں لیکن حقیقت میں صحیح طریقے سے عمل نہیں کر رہا ہوگا۔ تکبر میں مبتلا ہو جائے گا، جہنم میں جائے گا اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے:

لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرّةٍ من کبر

''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا'' (مشکوۃ، باب الغضب والکبر، الفصل الاول رقم الحدیث ۵۱۰۴)

اتباعِ سنت کے ثمرات:

اس لئے سنت پر صحیح طریقے سے عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں طریقوں کو اختیار کیا جائے۔ اور جب آپ ان دونوں طریقوں کو اختیار کر کے سنت پر عمل کرنا شروع کر دیں گے تو کچھ عرصے بعد آپ کو اپنی زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی محسوس ہوگی، چین وسکون نصیب ہوگا، کاموں میں آسانی اور برکت نظر آئے گی، دولت اور وقت میں برکت ہوگی اور وہ لوگ جو آپ سے نفرت کرتے ہیں، وہ آپ سے محبت کرنے والے بن جائیں گے، آپ ہر دلعزیز بنتے چلے جائیں گے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں ایسی دلکشی اور کشش ہے کہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے، حتی کہ کافر کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کافر بھی جب کسی سنت پر عمل کرنے والے کو دیکھے گا تو اس کی طرف مائل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمین

سُنّت کا مقام
اور فتنہ انکارِ حدیث

موضوع　سنت کا مقام اور فتنہ انکارِ حدیث
مقرر　حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام　مدرسۃ البنات، جامعہ دار العلوم کراچی
تاریخ　۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
ضبط و ترتیب　مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام　محمد ناظم اشرف

سنت کا مقام اور فتنہ انکار حدیث

خطبہ:

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

امابعد:

قال الله تبارك وتعالىٰ:

لَقَدْ كَانَ لَكُم فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الآخِرَةِ۔ (الاحزاب ، ۲۱)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (النساء ، ٦٥)

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ

(النساء، ۵۹)

وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء، ۸۰)

تمہید:

گذشتہ مجلس میں سنت کا معنی اور اس کی حقیقت کافی تفصیل سے بیان ہوئی

جس کا حاصل یہ تھا کہ لفظ سنت کے دو معنی ہیں۔ (۱) وہ عمل جو واجب سے کم درجے کا ہو جیسے کہا جاتا ہے کہ نماز میں اتنی سنتیں ہیں وغیرہ۔ (۲) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ خواہ وہ فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل، اور اس سلسلہ میں تین آیات کی تشریح کی گئی تھی۔ اب مزید آیات کی تشریح کی جاتی ہے۔

پہلی آیت: آج کی پہلی آیت یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَةَ﴾

"تحقیق تمہارے لئے پیغمبر خدا کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے (یعنی) اس شخص کے واسطے جسے اللہ تعالیٰ (سے ملنے) اور آخرت (کے آنے) کی امید ہو"۔

بہترین انسان بننے کا طریقہ:

یعنی آپ کی زندگی کے جتنے واقعات ہیں۔ آپ کے جتنے اعمال وافعال ہیں۔ آپ کے جتنے ارشادات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب نمونہ ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بہترین انسان اور اللہ تعالیٰ کا مقرب اور ولی بننا چاہتا ہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لے۔ یہ اعلیٰ ترین منصب ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی منصب نہیں۔

صحابہ کرامؓ کے بلند مرتبہ ہونے کی وجہ:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو بلند مرتبہ اسی وجہ سے نصیب ہوا کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ کی اتباع اور پیروی کرنے کی سعادت

ملی۔ نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں انہیں وہ مقام ملا جو ان کے بعد کسی کو نہیں ملا اور آخرت میں یہی مقام ملے گا۔ چنانچہ اس بات پر ساری امت کا اجماع ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی، بڑے سے بڑا مجتہد، بڑے سے بڑا فقیہ، بڑے سے بڑا محدث، بڑے سے بڑا امام اور بڑے سے بڑا صوفی مرتبہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہوسکتا۔

اور اسی اتباع اور صحبت کی برکت تھی کہ کہاں تو ان کی یہ حالت تھی کہ وہ دنیا کے جاہل ترین علاقے کے رہنے والے تھے، عرب کے بدو تھے، عام طور پر وہاں لکھنے پڑھنے کا بھی رواج نہیں تھا، متمدن دنیا سے کٹے ہوئے تھے، معاشی طور پر پسماندہ تھے، علم سے دور تھے، کوئی آسمانی کتاب ان کے پاس نہیں آئی تھی، تورات اور انجیل وغیرہ بنی اسرائیل کے پاس تو آئی تھیں لیکن اس علاقے میں اس سے پہلے ایک طویل عرصے تک کوئی نبی اور کتاب نہیں آئی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور پیروی نے ان کو یہ مقام عطا کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا پر چھا گئے۔ کسی نے بڑی اچھی بات کہی کہ:

> ''صحابہ کرام جب جزیرہ عرب سے نکلے تو اونٹوں کی مہاریں ان کے ہاتھ میں تھیں لیکن دنیا والوں نے دیکھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں قوموں کی تقدیریں اور مہاریں ان کے ہاتھ میں آ گئیں۔''

دنیا کے حاکم بنے اور انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دنیا کی سب سے بڑی طاقت بنایا۔ قیصر و کسریٰ سمیت اس وقت دنیا کی متمدن آبادی اسلام کے زیر نگین ہوگئی۔

اتباع سنت کی قوت ایک واقعہ

اتباع سنت میں اللہ رب العزت نے حیرت ناک قوت رکھی ہے۔ فاروق

اعظم رضی اللہ عنہ کے دور کا واقعہ ہے۔ اس وقت اسلامی لشکر کئی ممالک کو فتح کرتا ہوا سیلاب کی طرح آگے بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایران وعراق سے آگے نکل کر وسط ایشیا کے کسی علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ وہاں اسلامی لشکر نے کسی شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا لیکن وہ قلعہ فتح نہیں ہورہا تھا۔ وہ قوم اتنی مضبوط اور جنگجو تھی کہ قابو میں نہیں آرہی تھی۔ اس قلعہ کو فتح کرنے کے جتنے طریقے ہوسکتے تھے وہ سارے آزمائے گئے لیکن قلعہ فتح ہونے کی کوئی صورت نہ بن سکی۔

مجبور ہوکر انہوں نے امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھ کر بھیجا اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اس کا جو حل تجویز فرمایا اس سے سنت کی طاقت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے اس کے لئے کوئی مادی حل تجویز نہیں کیا بلکہ جوابی خط میں لکھا کہ سب مجاہدین کو جمع کرو اور پھر خود بھی اپنا جائزہ لو اور ان سے بھی کہو کہ وہ اپنا جائزہ لیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سنت تم سب سے چھوٹ چکی ہے۔ جائزہ لو کہ وہ کونسی سنت ہے جس پر تم سب نے عمل چھوڑ رکھا ہے۔ جب وہ سمجھ میں آجائے تو سب اس پر عمل کریں اور پھر اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا کر کے حملہ کردیں۔ انشاء اللہ فتح ہوگی۔

جب سپہ سالار کے پاس یہ خط پہنچا تو اس نے سب مجاہدین کو جمع کیا اور یہ خط پڑھ کر سنایا۔ سب نے مل کر غور کیا کہ ہم نے کونسی سنت چھوڑ رکھی ہے۔ بظاہر ساری سنتوں پر عمل ہورہا تھا۔ کافی غور کے بعد یہ سامنے آیا کہ ہم سفر کی حالت میں تھے اس لئے بہت دنوں سے ہم نے مسواک نہیں کی، چنانچہ کمانڈر نے سارے لشکر کو حکم دیا کہ جاؤ مسواک لے کر آؤ اور پھر مسواک کرو۔ لشکر کے تمام افراد جنگل میں پھیل گئے، وہاں سے مسواک بنا کر لائے اور کرنے لگے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کا کفار پر اتنا رعب بیٹھا

ہوا تھا کہ عورتیں اپنے بچوں کو مسلمانوں سے ڈراتی تھیں مثلاً جب کوئی بچہ شرارت کرتا تو والدہ کہتی دیکھو، باز آجاؤ ورنہ مسلمان کو بلالوں گی اور انہوں نے اس بات کو مشہور کردیا تھا کہ مسلمان آدمیوں کو کچا کھا جاتے ہیں۔ جب مسلمانوں نے مسواک کرنا شروع کی تو اوپر قلعہ پر کھڑے ہوئے کفار حیرت سے دیکھنے لگے کہ نجانے کیا قصہ ہوا کہ کمانڈر کا ایک حکم ملنے پر یہ سب کے سب اپنے دانتوں کو تیز کررہے ہیں۔ پھر خیال آیا کہ ہم نے جو یہ سن رکھا ہے کہ مسلمان لوگوں کو کچا کھا جاتے ہیں تو شاید یہ ہمیں کچا کھانے کی تیاری ہے۔ جمعہ کا دن تھا، صبح کا وقت تھا، مسواک سے فارغ ہونے کے بعد سپہ سالار نے حکم دیا کہ اب حملہ کرو، کفار اس خیال سے کہ یہ اب ہمیں کچا کھا جائیں گے، ڈر گئے اور بھاگ کھڑے ہوگئے۔ جمعہ کی نماز سے پہلے قلعہ فتح ہوگیا۔ اسلامی لشکر نے جمعہ کی نماز قلعہ میں جا کر پڑھی۔

اتباع سنت کی ایک اہم فضیلت:

اگرچہ مسلمانوں کے بارے میں ان کا یہ تاثر غلط تھا کہ یہ لوگوں کو کچا کھا جاتے ہیں لیکن بہرحال اللہ رب العزت نے سنت پر عمل کرنے کو قلعہ فتح ہونے کا ذریعہ بنادیا۔ یقیناً سنت کے اندر بہت بڑی طاقت ہے۔ اس پر عمل کرنے کے اور بھی متعدد فضائل وارد ہوئے ہیں، چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ﴾ (مشکوۃ، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۱۷۶)

"جس نے فساد کے زمانے میں میری سنت کو مضبوطی سے پکڑا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔"[۱]

---

[۱] روایت معجم الطبرانی الاوسط (۶/۱۹۷) پر ایک اور روایت ہے جس میں ایک شہید کے برابر ثواب ملنے کا ذکر ہے۔ م

دوسری آیت:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً﴾ (النساء:٦٥)

''قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ خوشی سے مان لیں، تب تک مومن نہیں ہوں گے۔''

یعنی جب تک اختلافی مسائل میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کرلیں، اس وقت تک یہ مومن نہیں ہوسکتے اور جب آپ فیصلہ کردیں تو دلوں کے اندر تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ خوشی سے قبول کریں خواہ ان کی مرضی کے خلاف ہو یا ان کے خلاف فیصلہ ہو اور پھر اس فیصلے کو پوری طرح تسلیم کرلیں۔ جب تک یہ بات نہ ہوگی اس وقت تک ان کے اندر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔

تیسری آیت:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْئٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾

(النساء،۵۹)

''اور اگر کسی بات میں تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو''۔

اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ اس

مسئلے میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کا تو حکم ایک ہی ہوتا ہے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم مل جائے یا اس کے رسول کا حکم مل جائے، اس پر عمل کرلو، جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

جھگڑوں کی بنیاد

سارے جھگڑوں کی بنیاد یہی ہے کہ انسان اپنی رائے چلانا چاہتا ہے۔ جب اپنی رائے کو ختم کر دیا جائے اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو تسلیم کرلیا جائے تو سب جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔

چوتھی آیت:

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء:۸۰)

''اور جو شخص رسول کی فرمانبرداری کریگا تو بیشک اس نے خدا کی فرمانبرداری کی''۔

لہٰذا جو شخص رسول اللہ کی نافرمانی کریگا، وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا ہوگا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور آپ کی نافرمانی اللہ رب العزت کی نافرمانی ہے۔

منکرین حدیث کا تعارف:

یہ چند آیات قرآنی ہیں، اس کے علاوہ اور متعدد آیات ہیں جن سے ثابت ہے کہ جو اللہ کا حکم ہے، وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور جو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، وہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ یہیں سے ایک بات سمجھ لیجئے کہ آج کل ایک بہت خطرناک فتنہ ہمارے ہاں موجود ہے۔ ہمارے ملک سمیت اور کئی ممالک میں ایک فرقہ پایا جاتا ہے۔ یہ چھپا ہوا فرقہ ہے، دشمن اسلام ہے، یہ اپنا کفر چھپاتا ہے، اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے حالانکہ وہ مسلمان نہیں ہے، وہ ''منکرین حدیث'' کا فرقہ ہے۔

یہ لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں اور لوگوں کی نظروں میں اپنے آپ کو باوقعت ظاہر کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ ہم ''اہل قرآن'' ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بس قرآن کافی ہے۔ حدیث کی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ کسی ارشاد کی ضرورت ہے اور نہ کسی فعل کی اور شریعت کا کوئی مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ جو حکم قرآن مجید میں ہے بس وہی ٹھیک ہے۔ جو حکم قرآن مجید میں نہیں آیا لیکن حدیث میں آ گیا وہ قابل اعتبار نہیں۔

وہ بہت ملمع سازی کرکے اپنا نظریہ پیش کرتے ہیں اور علماء کرام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ملاؤں نے خود حدیثیں گھڑ گھڑ کے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا اور پھر حدیث کو حجت قرار دے دیا حالانکہ حدیث کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ حدیث کو ضروری قرار دینا قرآن مجید کی مخالفت اور اس کا درجہ گھٹانے کی کوشش کرنا ہے۔ یہ قرآن کے خلاف سازش ہے۔

منکرین حدیث کی سرگرمیاں:

نو تعلیم یافتہ طبقے اور بہت سے اونچے عہدوں پر اس فرقے نے اپنے لٹریچر کو پھیلایا اور ان میں سے بہت سے لوگ اونچے اونچے عہدوں پر پہنچ گئے ہیں اور کوشش کرکے ایسے لوگوں کو ان عہدوں پر پہنچایا جاتا ہے۔ آپ اپنے حکمرانوں کے

بارے میں بہت سی چیزوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اسلام کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں مثلاً کبھی دینی مدارس کے خلاف، کبھی دینی قوتوں کے خلاف اور کبھی دینی شخصیات کے خلاف، ان میں بسا اوقات ان لوگوں کی کوششوں کا بھی دخل ہوتا ہے، قادیانی بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ علماء سے بغض وعناد رکھنے والے لوگ ہیں۔

منکرین حدیث کے دعوے کا جواب:

ان لوگوں کے دعویٰ کی قلعی خود انہی آیات سے کھل جاتی ہے جو آج بیان ہوئیں اور گذشتہ ہفتے بیان ہوئیں[1]۔ یہ آیات قرآنی سراسر ان کے خلاف ہیں۔ منکرین حدیث کا کہنا ہے کہ احادیث حجت نہیں، شریعت میں ان کی کوئی بنیاد نہیں جبکہ قرآن کہتا ہے: "جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں، وہ لے لو جس سے منع کریں، اس سے رُک جاؤ۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی اس نے اللہ کی پیروی کی، اور تم میں اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو فیصلہ کن نہ سمجھے" وغیرہ وغیرہ۔ یہ آیات ان منکرین حدیث کو کافر قرار دے رہی ہیں۔

منکرین حدیث پر کفر کا فتویٰ کب اور کیسے لگا؟

ان کے سرگروہ کا نام تھا "غلام احمد پرویز"۔ اردو کا ادیب بہت اچھا تھا۔ ماہنامہ "طلوعِ اسلام" کے نام سے لاہور سے رسالہ نکالتا تھا اور اس نے قرآن مجید کی

---

[1] وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر، ۷) (۲) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم، ۳،۴) (۳) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط (آلِ عمران:۳۱)

تفسیر بھی لکھی۔

آج سے تقریباً چالیس سال یا اس سے بھی کچھ زیادہ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ اس کی سب کتابوں کو یہاں دارالعلوم کراچی میں جمع کیا گیا۔ ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شمس الحق صاحب مدظلہ اور دارالعلوم کے دیگر اساتذہ کرام کے درمیان اِن کتابوں کو تقسیم کیا گیا کہ وہ ان کا مطالعہ کریں اور ان میں سے کفریہ کلمات کی نشاندہی کریں۔ ہم سب لوگ لگے، مہینوں تک اس کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اِن کلمات کو نکالا گیا پھر ان پر مزید تحقیق کر کے ایسے کفریہ کلمات باقی رکھے گئے جن میں کوئی تاویل ممکن نہ تھی۔ جب ایسے کلمات سامنے آگئے کہ جن میں تاویل کی کوئی صورت نہ تھی تو پھر ان کے بارے میں فتویٰ لکھا گیا کہ ”پرویز اور ہر وہ شخص جو پرویز جیسے نظریات رکھتا ہو، وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے“۔ اس پر تمام مکاتب فکر دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث علماءِ کرام کے دستخط ہوئے اور پھر یہ فتویٰ شائع کر دیا۔ تو اس پر علماءِ کرام کا اجماع ہے کہ منکرینِ حدیث کافر ہیں۔

منکرینِ حدیث کی شرانگیزیاں:

اس موقع پر ان کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و افعال کی پیروی کا بیان چل رہا ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا تو یہ بات سامنے رکھنا ضروری تھی کہ ایسا فرقہ اِس وقت دنیا میں موجود ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی حجیت کا انکار کرتا ہے اور وہ دائرۂ

اسلام سے خارج ہے۔ ان لوگوں نے بڑا شر پھیلایا ہے۔ انگریزی اخبارات میں ان کے آرٹیکلز شائع ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی علماءِ کرام کے خلاف، کبھی حدیث کے خلاف اور کبھی صحابہ کرام کے خلاف وغیرہ۔

ایک اصولی بات:

ان کے ساتھ ہمارے مناظرے بھی ہوتے رہے ہیں۔ چونکہ ان کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے اس لئے کبھی وہ ٹھہر نہیں پاتے۔ ابھی ہم ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ پہلے ایک اصولی بات سمجھ لیجئے وہ یہ کہ ''حدیث کے بغیر قرآن پر عمل کرنا ممکن نہیں''۔ مثلاً دیکھئے کہ ایمان کے بعد سب سے اہم حکم اور رکن اسلام ''نماز'' ہے۔ نماز کے بارے میں قرآن مجید میں تفصیلات بیان نہیں کی گئیں۔ اس میں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ نماز کے ارکان کتنے ہیں، ان میں ترتیب کیا ہوگی، فجر میں کتنی رکعتیں ہوں گی، ظہر میں کتنی ہوں گی، عصر، مغرب اور عشاء میں کتنی رکعتیں ہوں گی وغیرہ، یہ ساری تفصیلات تو حدیث میں آئی ہیں۔ اب قرآن کا حکم ہے کہ ''نماز قائم کرو''۔ جب تک احادیث سے یہ تفصیلات نہیں لی جائیں گی قرآن کے اس حکم پر عمل کیسے ہوگا؟

منکرینِ حدیث سے ہونے والے مناظرے کی روئیداد:

جس سال میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوا، اسی سال کی بات ہے کہ میں شہر میں تراویح پڑھاتا تھا ایک منکرِ حدیث جو کسی بڑے عہدے پر فائز تھا، نو تعلیم یافتہ تھا، وہ میرے پیچھے تراویح پڑھنے کے لئے دور سے آتا تھا۔ روزانہ کوئی نہ کوئی مسئلہ پوچھتا تھا جس سے نوک جھونک سی محسوس ہوتی تھی۔ ایک روز اس نے مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ میں نے بتایا کہ یہ مسئلہ حدیث میں یوں ہے۔ اس پر بات چل پڑی۔

وہ بولا کہ حدیث کی ضرورت کیوں ہے؟ قرآن کافی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ حدیث کے بغیر تم نماز ہی نہیں پڑھ سکتے۔ کہنے لگا یہ کس طرح؟ میں نے کہا تم نماز میں جو رکوع کرتے ہو کیا قرآن مجید میں اس طرح رکوع کرنے کا کوئی ذکر ہے۔ وہ چکرا سا گیا۔ پھر میں نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ دیکھو رکوع کے معنی جھکنے کے ہیں۔ وہ بولا کہ رکوع کے معنی ہی جھکنے کے ہیں (تو گویا قرآن سے جھکنا ثابت ہو گیا) میں نے کہا کہ جھکنے کے معنی تو ہیں لیکن کس طرف جھکنا، آگے جھکنا، پیچھے جھکنا، دائیں جھکنا یا بائیں جھکنا۔ یہ تو رکوع کے معنی سے معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ تو حدیث سے معلوم ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے معلوم ہوگا۔ کہنے لگا، اچھا سجدہ؟ میں نے کہا سجدہ کی بات بھی یہی ہے۔ سجدہ کا لغوی مطلب ہے "پیشانی کو زمین پر ٹیکنا"۔ پیشانی کو زمین پر ٹیکنا الٹا لیٹ کر بھی ہو سکتا ہے، اس مخصوص طریقے سے پیشانی ٹیکنے کا طریقہ جو ہم نماز میں کرتے ہیں، وہ کسی لغت کی کتاب میں مذکور نہیں، بلکہ اس کا علم حدیث سے ہوگا۔ اس سے کچھ بن نہ پڑا۔

دوسرا واقعہ:

میں نے ایک موقع پر کسی منکر حدیث سے کہا کہ بتلاؤ، قرآن مجید میں کہیں ہے کہ پاخانہ کھانا اور پیشاب پینا حرام ہے تو پھر جب تم صرف قرآن ہی کے احکام پر بات کرتے ہو تو پاخانہ کیوں نہیں کھاتے اور پیشاب کیوں نہیں پیتے؟ وہ خاموش ہو گیا۔

منکرینِ حدیث کا دوسرا رخ:

منکرینِ حدیث نے پہلے تو یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و

افعال کی ضرورت ہی نہیں، صرف قرآن ہی کافی ہے لیکن جب ان کے سامنے قرآن مجید کی وہ آیات رکھی گئیں جن سے حدیث کا حجت ہونا معلوم ہوتا ہے اور جب یہ کہا گیا کہ جب تم قرآن کو مانتے ہو تو اس کے ماننے کی وجہ سے حدیث کو بھی ماننا پڑے گا تو اس محاذ پر وہ شکست کھا گئے۔ اب انہوں نے نئی بات نکالی اور بات انہوں نے اپنی طرف سے نہیں کی، ان کی اپنی عقل تو بہت تھوڑی سی ہے، ان کی عقل تو یورپ اور امریکہ سے آتی ہے۔ ایک یہودی مستشرق گولڈ زہر نے آج سے سو ڈیڑھ سو سال پہلے ایک شوشہ چلتا کیا تھا کہ احادیث قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ یہ عہدِ رسالت میں نہیں لکھی گئی تھیں بلکہ دو سو سال بعد لکھی گئیں۔

کتابت حدیث پر اعتراض:

چنانچہ یہ بھی کبھی یہ بات کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث عہدِ رسالت میں نہیں لکھی گئیں بلکہ دو سو سال بعد لکھی گئیں پھر وہ بڑے چٹ پٹے انداز میں بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھئے آج کوئی صدر یا وزیراعظم کی تقریر ہو اور وہ لکھی نہ جائے اور ریکارڈ بھی نہ کی جائے اور کوئی آدمی یہ تقریر سنے پھر وہ دوسرے کو بتائے، دوسرا تیسرے کو بتائے، تیسرا چوتھے کو، چوتھا پانچویں کو، اسی طرح کئی آدمیوں نے ایک دوسرے کو بتایا۔ ایک ہفتے کے بعد جب آپ آخری آدمی سے پوچھیں گے کہ صدر صاحب نے اپنی تقریر میں کیا کہا تھا تو وہ کچھ کی کچھ ہو چکی ہوگی، اصل بات کوئی اور ہوگی اور ہم تک کوئی اور بات پہنچے گی جب کہ احادیث تو دو سو سال تک نہیں لکھی گئیں اور ٹیپ ریکارڈ تو ویسے بھی اس زمانے میں نہیں ہوتا تھا۔ دو سو سال کے بعد امام بخاری، مسلم اور ابوداؤد وغیرہ آئے۔ اس وقت عالمِ اسلام میں کچی پکی باتیں پھیلی ہوئی تھیں، انہوں نے وہ سن کر اپنی کتابوں

میں لکھ دیں اور کہا کہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں، ان پر کیسے بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟۔

جواب:

یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عہد رسالت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں آپ کی ہدایت کے مطابق اور آپ کی اِملاء سے صحابہ کرام نے ہزارہا حدیثیں لکھیں۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد احادیث کو حفظ کرتی تھی۔ حدیثوں کو اسی طرح حفظ کیا جاتا تھا جس طرح قرآن مجید کو حفظ کیا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ لکھنے کا کام بھی ہوتا ہے۔ انہیں درساً پڑھایا جاتا تھا۔ اس موضوع پر ہمارے اکابر نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ہے ''تدوینِ حدیث''۔ اس میں انہوں نے پوری داستان لکھی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں کس طرح احادیث لکھی جاتی تھیں اور انہیں کس طرح حفظ کیا جاتا تھا اور یہی سلسلہ تابعین، تبع تابعین اور بعد کے دور میں بھی رہا۔ ناچیز[1] کی بھی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے ''کتابتِ حدیث عہدِ رسالت اور عہد صحابہ میں''[2] یہ اردو میں ہے۔ اس میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں کتنے بڑے پیمانے پر حدیث کی کتابت کا انتظام کیا گیا تھا۔ اور اس کے علاوہ صحابہ کرام کی کتنی بڑی جماعت نے اپنے آپ کو حفظِ حدیث کے مشغلے پر لگا لیا تھا کہ اس کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں تھا۔ لہٰذا ان کا یہ اعتراض بھی غلط ہے۔

---

[1] یعنی استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم۔م

[2] یہ کتاب ''مکتبہ دارالعلوم کراچی'' سے چھپ چکی ہے۔م

احادیث کی حفاظت تین طرح سے ہوئی:

بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ احادیث لکھی بھی گئیں، حفظ بھی کی گئیں، ان پر عمل بھی ہوتا تھا بلکہ حکومتوں کے قوانین اسی کے مطابق چلتے تھے اور جو چیز ایک مرتبہ قانون بن جائے وہ کیسے بھلائی جا سکتی ہے۔ خلافتِ راشدہ کی ساری حکومتوں کا نظام احادیث کی بنیاد پر چلتا تھا۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ جن کی حکومت اتنی زیادہ پھیلی ہوئی تھی کہ آپ کی حدودِ سلطنت کے مقابلے میں پاکستان کی حیثیت اتنی بھی نہیں بنتی، جتنی پاکستان کے مقابلے میں اس کی چھوٹی سی تحصیل کی۔ اتنی بڑی سلطنت کے سارے قوانین اور عدالتی فیصلے سنت کے مطابق ہو رہے تھے، آپ کے ارشادات اور افعال کے مطابق ہو رہے تھے۔ گویا احادیث کی حفاظت تین طریقے سے ہو رہی تھی، کتابت کے ذریعے، حفظ کے ذریعے اور عمل کے ذریعے۔ پھر عمل انفرادی سطح پر بھی ہو رہا تھا اور سرکاری سطح پر بھی ہو رہا تھا، اِن حالات میں احادیث کیسے بھلائی جا سکتی تھیں۔

احادیث کس طرح حفظ کی جاتی تھیں؟:

حفظِ حدیث کا کام بھی اعلیٰ پیمانے پر ہو رہا تھا۔ چنانچہ حضراتِ صحابہ کرام سے لے کر محدثین کے آخری دور تک ایسے ہزاروں حضرات ملتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں علم حدیث کی حفاظت، کتابت اور زبانی یاد کرنے کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔ احادیث کو اس طرح حفظ کیا جاتا تھا جس طرح قرآنی آیات کو حفظ کیا جاتا ہے۔ احادیث کو یاد رکھنے کے بھی عجیب وغریب واقعات ہیں۔ اس کی ابتداء اصحابِ صفہ سے ہوئی۔

صفہ اسلام کا پہلا مدرسہ تھا۔ اس مدرسے کے استاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور شاگرد اصحابِ صفہ تھے۔ اصحابِ صفہ ان صحابہ کرام کو کہا جاتا ہے جو صفہ میں رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھنے کے علاوہ ان کا کوئی اور مشغلہ نہیں تھا۔ اور دین کس طرح سیکھتے تھے؟ قرآن سیکھتے تھے، اس کا معنی سیکھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل دیکھتے رہتے تھے اور آپ کے اقوال کو یاد کرتے رہتے تھے اور دوسروں تک پہنچاتے تھے۔

حفاظتِ حدیث کے لئے حضرت ابو ہریرہؓ کی فاقہ کشی:

ان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔ ان کا حافظہ بھی خوب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خصوصی دعا بھی دی تھی اور ان کا اس کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں تھا۔ کھانے کو کچھ مل گیا تو کھا لیا ورنہ فاقہ۔ بعض اوقات فاقہ کی وجہ سے مسجد میں اس حالت میں پڑے ہوتے تھے کہ کسی سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسے ہی فاقے کی حالت میں تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا تو ان کے لئے کھانے کا انتظام کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات:

صحابہ کرام میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے ہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے پانچ ہزار سے زائد احادیث روایت کی ہیں۔ آپ اصحابِ صفہ کے سردار ہیں۔ احادیث بہت بیان کرتے تھے۔ دوسروں کو سناتے رہتے تھے، اس لئے بھی سناتے تھے کہ جتنی مرتبہ سنائیں گے اتنی اور پکی یاد ہو جائیں گی۔ کثرت سے روایات بیان کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں نے ان کا امتحان بھی لیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حفظِ حدیث کے امتحان کا ایک واقعہ:

مروان بن حکم مدینہ کے گورنر تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ احادیث بہت سناتے ہیں تو ان کا امتحان لینے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کو اپنے ہاں دعوت دی۔ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ بلایا۔ جب یہ تشریف لائے تو درخواست کی کہ آپ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث سنا دیں۔ یہ تو حدیثیں سنانے کے لئے تیار رہتے تھے چنانچہ انہوں نے خاصی تعداد میں احادیث سنائیں۔ مروان نے خفیہ طور پر ایک کاتب کو پردے کے پیچھے بٹھا رکھا تھا اور اسے ہدایت کی تھی کہ جو کچھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بولتے جائیں، وہ سب لکھتے جانا۔ چنانچہ وہ احادیث لکھتا رہا۔ حدیث کا ایک اچھا خاصہ مجموعہ تیار ہو گیا۔ مروان بن حکم نے بڑے اعزاز سے آپ کو رخصت کیا اور اس ذخیرۂ احادیث کو اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اِن احادیث کے محفوظ ہونے کا کچھ علم نہیں تھا۔

ایک سال کے بعد مروان بن حکم نے پھر دعوت کی۔ اعزاز و اکرام کے ساتھ بلایا اور درخواست کی کہ آپ نے پچھلے سال جو احادیث بیان کی تھیں، وہ میرے پاس محفوظ نہیں رہیں۔ آپ براہِ کرم دوبارہ وہ حدیثیں سنا دیجئے۔ آپ نے پھر وہی حدیثیں اسی ترتیب سے سنا دیں۔ اس مرتبہ بھی مروان نے کاتب کو خفیہ طور پر پردے کے پیچھے بٹھا رکھا تھا، وہ احادیث لکھتا چلا گیا۔ اب دونوشتے اور تحریریں تیار ہو گئیں۔ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رخصت ہو گئے تو دونوں کو ملا کر دیکھا تو اس میں زبر زیر کا فرق نہیں تھا اور کوئی حرف آگے پیچھے نہیں تھا۔ یہ شان تھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث ہیں۔ ان کی زندگی کا بڑا وقت سفروں میں گذرا ہے، محنت و مشقت کی زندگی گزاری ہے۔ علمِ حدیث کی تلاش میں مختلف علاقوں اور ملکوں کے سفر کیئے، جہاں سے امید ہوتی تھی کہ کچھ احادیث مل جائیں گی، وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ اس زمانے میں مدرسے نہیں ہوتے تھے بلکہ اشخاص تھے اور طلبہ ان کے پاس جاکر علم حاصل کرتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح علم حاصل کیا اور علم میں اتنا کمال پیدا کیا کہ ان کے حافظے کی، ان کے تقویٰ کی، ان کی علمِ حدیث میں مہارت اور ان کی محنت کی پوری دنیا میں شہرت ہورہی تھی۔ چنانچہ ان سے بھی علمِ حدیث کے سلسلے میں کافی امتحان لئے گئے۔

ایک مرتبہ ایک شہر میں پہنچے۔ وہاں کے محدثین نے آپس میں کہا کہ بخاری آ رہے ہیں، ان کی بڑی شہرت ہے لہٰذا ان کا امتحان لینا چاہئے۔ اس کا طریقہ یہ طے کیا گیا کہ دس علماء مقرر ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک کے ذمے یہ لگایا گیا کہ وہ دس احادیث سنائے گا اور یہ سب علماء حدیثیں اس طرح سنائیں گے کہ کسی کا کوئی لفظ آگے ہو جائے گا، کسی کا پیچھے کر دیا جائیگا، کسی میں کوئی اور لفظ لایا جائے گا غرضیکہ کوئی نہ کوئی تغیر کر دیا جائے گا۔ اور پھر امام بخاری سے پوچھا جائے گا کہ ان حدیثوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ درست ہیں یا نہیں؟

اندازہ کیجئے یہ کتنا کڑا امتحان تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا کچھ علم نہیں تھا۔ آپ تشریف لائے۔ ہزاروں لوگ جمع ہو گئے۔ امام بخاری جب بیٹھ گئے تو ایک عالم کھڑے ہوئے اور کہا کہ میرے پاس دس حدیثیں پہنچی ہیں انہیں سنانا چاہتا ہوں اگر آپ نے تصدیق کی کہ یہ حدیثیں درست ہیں تو میں انہیں اپنے پاس لکھ لوں

گا۔ اجازت ملنے پر انہوں نے دس حدیثیں سنائیں۔ ان سب احادیث میں تغیر و تبدل کیا گیا تھا۔ امام بخاریؒ نے پہلی حدیث سنی تو فرمایا کہ یہ حدیث تو میرے علم میں نہیں ہے، دوسری سنی تو اس کے بارے میں بھی یہی جواب دیا۔ حتی کہ دس کی دس حدیثوں کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ یہ میرے علم میں نہیں ہیں۔ پھر دوسرے عالم نے دس احادیث تغیر و تبدل کے ساتھ سنائیں۔ ان کو وہی جواب دیا جو پہلے عالم کو دیا تھا۔ لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ یہ کیسے محدث ہیں، علماء انہیں حدیثیں سنا رہے ہیں اور انہیں کسی ایک کی بھی خبر نہیں۔ پھر تیسرے عالم نے تغیّر کے ساتھ حدیثیں سنائیں۔ اسی طرح دس کے دس علماء نے احادیث بیان کر دیں۔ ہر ایک کے بارے میں آپ کا یہی جواب تھا کہ یہ میرے علم میں نہیں ہے۔

اب عوام کی چہ میگوئیاں تو اور بڑھ گئیں البتہ علماء سمجھ گئے کہ کچھ بات ہے، یہ معمولی آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ پھر کسی نے کہا حضرت! اِن سو حدیثوں میں سے کسی کے بارے میں بھی آپ کو علم نہیں۔ فرمایا کہ جس طرح انہوں نے حدیثیں سنائی ہیں، اس طرح تو کوئی حدیث میرے علم میں نہیں البتہ پہلی حدیث جو سنائی گئی وہ فلاں طریق سے فلاں الفاظ کے ساتھ میرے علم میں آئی ہے۔ حدیث کو صحیح سند اور الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا۔ پھر اسی طرح دوسری حدیث کے بارے میں کہا اور صحیح پڑھ کر سنا دی، پھر تیسری، چوتھی، پانچویں غرضیکہ سو کی سو احادیث کو اسی ترتیب سے پڑھا جس ترتیب سے سنانے والوں نے بتائی تھیں اور پھر انہیں صحیح طریقے سے سنا کر فرمایا کہ میں نے اس طریقے سے یہ حدیثیں سنی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مقام کیسے ملا؟:

سب علماء نے وہیں ہتھیار ڈال دیئے اور سب کی گردنیں جھک گئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری کو امت نے اگر امام مانا ہے تو بے وجہ نہیں مانا، ان کے سامنے جو

گردنیں جھک جاتی ہیں، وہ ایسے ہی نہیں جھک جاتیں اور نہ ہی کسی پروپیگنڈے کے نتیجے میں جھکتی ہیں، علماءِ کرام نے انہیں کسوٹی پر پرکھا ہے اور ان سے بڑے بڑے امتحانات لئے، جب علماء کو سو فیصد یقین ہو گیا کہ یہ شخص علمِ حدیث کا بہت بڑا ماہر ہے، تب جا کر اس کی بات مانی ہے۔

عرب علماء اور امام بخاری:

آج کل بہت سے عرب علماء میں یہ مزاج نظر آتا ہے کہ وہ عام طور پر غیر عرب عالم کی بات کو توجہ سے نہیں سنتے بلکہ ان کی بات کو درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھتے البتہ جن عرب علماء نے ہمارے بزرگوں کی عربی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو وہ ان کے عاشق اور فریفتہ ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ پاکستان اور ہندوستان میں بڑے بڑے علماء ہیں ورنہ عام طور پر عجمی علماء کے بارے میں ان کا رویہ یہی ہے کہ وہ ان کی بات پر توجہ نہیں دیتے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی عجمی تھے لیکن آج بھی اگر عالمِ عرب کے بڑے سے بڑے فقیہ، بڑے سے بڑے محقق اور بڑے سے بڑے محدث کے سامنے جب کوئی حدیث پڑھ کر یوں کہا جائے کہ اسے بخاری نے روایت کیا ہے تو اس کے سامنے اس کی گردن جھک جاتی ہے۔

امام ترمذی کا حافظہ:

یہ صرف امام بخاری کے حالات ہیں۔ ان کے علاوہ امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی کے حالات بھی عجیب ہیں۔ ان کے حافظے، ان کی کاوشیں، ان کی قربانیاں بڑی حیرت ناک ہیں۔ امام ترمذی جنہوں نے صحاح ستہ میں شامل مشہور کتاب جامع ترمذی لکھی، یہ امام بخاری رحمۃ اللہ کے شاگرد ہیں۔ یہ ازبکستان کے شہر ترمذ کے رہنے

والے ہیں۔ ان کے حافظے کا حال عجیب وغریب تھا۔ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں ایک مرتبہ حج کیلئے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ سے گذرے تو سر جھکا لیا اور ساتھیوں سے کہا کہ سر جھکا لو۔ لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے فرمایا کہ یہاں جھاڑی دار درخت نہیں ہے؟ ساتھیوں نے انکار کیا تو امام ترمذی نے گھبرا کر قافلے کو روکنے کا حکم دیا اور فرمایا اس کی تحقیق کرو، مجھے یاد ہے کہ عرصہ دراز پہلے جب میں یہاں سے گذرا تھا تو اس جگہ ایک درخت تھا جس کی شاخیں بہت جھکی ہوئی تھیں اور وہ مسافروں کے لئے پریشانی کا باعث تھا، سر جھکائے بغیر اس کے نیچے سے گذرنا ممکن نہ تھا۔ شاید اب وہ درخت کسی نے کاٹ دیا ہے۔ اگر واقعہ ایسا نہیں ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ یہاں درخت نہیں تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا حافظہ کمزور ہو چکا ہے لہٰذا میں روایتِ حدیث کو ترک کر دوں گا۔

لوگوں نے اتر کر آس پاس کے لوگوں سے تحقیق کی تو بڑی عمر کے لوگوں نے بتایا کہ واقعۃً یہاں ایک درخت تھا چونکہ وہ مسافروں کی پریشانی کا باعث تھا، اس لئے اُسے کٹوا دیا گیا۔

اِس جیسے اور کئی واقعات ہیں اور اس طرح حفاظتِ حدیث کی ایک درخشندہ تاریخ مرتب ہوئی جو آج تک محفوظ ہے۔

احادیث کی تاریخ:

اگر آج آپ ہم سے یہ کہیں کہ اس حدیث کی تاریخ بتائیں تو ہم آپکو اس کی پوری تاریخ بتلا دیں گے کہ یہ حدیث ہم نے کس سے سنی، اس نے کس سے سنی پھر اس نے کس سے سنی، پھر امام مسلم نے کس سے سنی، امام بخاری نے کس سے سنی

یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پورا سلسلہ بیان کریں گے انشاء اللہ۔ کسی بھی محدث سے پوچھئے وہ آپ کو پورا سلسلہ بتادے گا۔ یہ ایک زنجیر (chain) ہے جس میں کوئی لڑی درمیان میں غائب نہیں اور کوئی لڑی کھوٹی نہیں ہے، سب کے سب کھرے لوگ ہیں، متقی اور پرہیزگار ہیں، ذہین اور سمجھدار ہیں، محنت سے احادیث کو یاد کرنے والے اور اپنی زندگیاں کھپانے والے لوگ ہیں۔

راوی کے حالات جاننے کا طریقہ:

اگر آپ ایک سند میں کسی راوی کا نام پڑھتے ہیں لیکن آپ کو اس کے حالات معلوم نہیں تو لائبریریوں میں ''اسماء الرجال'' کے فن سے متعلق کتابیں موجود ہیں۔ ان میں تمام راویوں کے حالاتِ زندگی لکھے ہوئے ہیں۔ عام طور پر حروفِ تہجی کے نام سے ہوتے ہیں مثلاً آپ یحییٰ بن معین کے حالات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو آپ حرف ''ی'' کو نکالئے، حرفِ ''ی'' سے شروع ہونے والے محدثین کے نام آجائیں گے۔ ان میں یحییٰ بن معین کے حالات بھی ہوں گے۔ جس میں یہ درج ہوگا کہ وہ کہاں پیدا ہوئے، کب پیدا ہوئے، کن اساتذہ سے پڑھا، کن لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا۔ کن کن شہروں میں گئے، کن کن سے ملاقاتیں کیں، ان کا علم کیسا تھا، حافظہ کیسا تھا وغیرہ وغیرہ یہ سارا ریکارڈ محفوظ ہے۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ یہ کہنا بالکل دجل وفریب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بارے میں اطمینان سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں۔ یقیناً کہا جاسکتا ہے اور ان سے احکام ثابت کئے جاسکتے ہیں۔

لہٰذا منکرینِ حدیث کا دعویٰ بالکل غلط اور نا قابلِ اعتناء ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اِتباعِ سنت کی توفیق نصیب فرمائے اور اس فتنے سے ہماری مکمل حفاظت فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰه رب العالمين ○

حج کے بعد
زندگی کیسے گذاریں

موضوع: حج کے بعد زندگی کیسے گزاریں؟
مقرر: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام: عالمگیر مسجد، کراچی
تاریخ: ۱۶ مارچ ۲۰۰۳ء
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿حج کے بعد زندگی کیسے گذاریں؟﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمدلله نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمنُ به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات اعمالنا ٥من يهده الله فلا مضل لهٗ ومن يضللهٗ فلا هادى لهٗ ونشهدأن لا اله الا الله وحده لاشريك لهٗ ونشهدأن سيدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ۔ صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وصحبه اجمعين ٥ امّا بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم٥بسم الله الرحمن الرحيم

يٰآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوااللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ٥

تمہید:

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز! آج کا یہ مبارک اجتماع ان بہنوں اور

بھائیوں پر مشتمل ہے جو تازہ تازہ حرمین مبارک پر حاضری دے کر واپس آئے ہیں۔ حج کی دولت ایسی عجیب ہے کہ اس میں تمام عبادتوں سے ایک الگ انفرادیت ہے۔

فوائد حج کے حصول کے لئے بیت اللہ کی حاضری ضروری ہے

اسلام کے اندر تمام عبادتیں عظیم الشان اور ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور اسی طرح دیگر عبادات، ان کی الگ الگ برکات اور انوارات ہیں اور دنیا و آخرت کی زندگی میں ان کے عظیم الشان اثرات ہیں۔ اور ان میں سے ایک عبادت سے دوسری عبادت کی ضرورت بھی پوری نہیں ہوتی۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ نماز پڑھنے سے روزے کی ضرورت پوری ہو جائے تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر کسی کی یہ خواہش ہو کہ زکوٰۃ دیکر نماز کی ضرورت پوری کرلے تو یہ بھی نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح حج کا فائدہ بھی دیگر عبادات کے ذریعے حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ فوائد حج کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ بیت اللہ شریف جا کر حاضری دی جائے۔

مختلف عبادات کے اثرات

ہر عبادت کا ایک الگ فائدہ ہے جس کا اثر انسان کے دل و دماغ اور اس کے اعمال و اخلاق پر پڑتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں نماز کا ایک اہم فائدہ یہ بتلایا گیا کہ یہ فحش اور برے کاموں سے منع کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (عنکبوت)

''بلاشبہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے''۔

روزے کا فائدہ یہ بتلایا گیا کہ اس سے انسان کے اندر تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کہا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرة)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو''۔

گویا روزے کی تاثیر یہ ہے کہ وہ انسان کے اندر تقویٰ پیدا کرتا ہے اور انسان کے دل میں یہ احساس رہنے لگتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

زکوٰۃ کا فائدہ یہ ذکر کیا گیا کہ اس سے مال پاک ہوتا ہے اور مال میں برکت پیدا ہوتی ہے اور غرباء و مساکین کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

حج کے فوائد سننے سے سمجھ نہیں آسکتے:

لیکن حج کے معاملے میں قرآن مجید نے بالکل الگ انداز اختیار کیا۔ وہ یہ کہ حج کے فائدے صراحتاً ذکر نہیں کئے بلکہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلانِ حج کا جو حکم دیا تھا اُسے قرآن مجید میں یوں ذکر کیا گیا۔

﴿وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝﴾ (الحج:۲۷)

''اور لوگوں میں حج کے لئے ندا کرو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دور دراز راستوں سے چلے آتے ہوں (سوار ہوکر) چلے آئیں''۔

اس آیت مبارکہ میں اعلانِ حج کا حکم دینے کے بعد پہلے یہ خوشخبری سنائی گئی کہ لوگ حج کے لئے آئیں گے حتیٰ کہ اتنے دور دراز سفر سے بھی آئیں گے کہ

اونٹیاں چلتے چلتے دبلیاں ہوجائیں گی۔ اور پھر ان کے آنے کا معنی خیز فائدہ بتلاتے ہوئے یہ فرمایا گیا:

﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾

''تاکہ وہ اپنے منافع کا خود مشاہدہ کرلیں''۔

دیکھئے! نماز روزے اور زکوۃ وغیرہ کے فائدے بیان کردیئے لیکن حج کے فائدے ذکر کرنے کے بجائے یوں کہا گیا کہ'' وہ خود آکر اپنے منافع کا مشاہدہ کرلیں۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ حج کے فائدے ایسے ہیں کہ اگرانہیں کوئی بیان کرے گا تو بھی سننے والے سمجھ نہیں سکیں گے۔ گویا یہ فائدے پڑھنے، سننے سے سمجھ میں آ ہی نہیں سکتے بلکہ ان فوائد کا تعلق تجربہ اور مشاہدہ سے ہے۔

مثال:

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ مثلاً کوئی شخص آپ سے پوچھے کہ آم کسے کہتے ہیں اگر آپ یہ جواب دیں کہ ایک پھل ہوتا ہے جو گرمیوں میں آتا ہے۔ آپ کہیں کہ نہیں صاحب! وہ خربوزے سے بھی چھوٹا ہوتا ہے اور کچھ لمبوترا سا بھی ہوتا ہے۔ یہ سن کر وہ کہے گا کہ بھائی کھیرا بھی خربوزے سے چھوٹا ہوتا ہے اور لمبوترا بھی ہوتا ہے۔ آپ کہیں کہ وہ ذرا ٹیڑھا بھی ہوتا ہے اور اس میں ہلکا سا پیلا پن بھی ہوتا ہے۔ تو وہ کہے گا کہ پھر تو وہ سیب کی طرح کا ہوگا۔ آپ کہیں کہ نہیں صاحب! اس کے اوپر چھلکا ہوتا ہے۔ وہ اتار لیتے ہیں، اس کے اندر گودا ہوتا ہے اور گودے کے اندر گٹھلی ہوتی ہے، تو وہ کہے گا کہ اِملی بھی ایسی ہوتی ہے۔ غرضیکہ آپ آم کی جتنی بھی علامتیں بتاتے چلے جائیں۔ اس سے آم کی پوری حقیقت سمجھ میں نہیں آئے گی اور نہ یہ پتہ چلے گا کہ آم کا ذائقہ کیا ہے؟ لیکن اگر آپ اُسے ایک آم لاکر دے دیں اور کہیں کہ

ذرا اسے کھا کر دیکھ لو تو اُسے سب کچھ پتہ چل جائے گا۔ اور اُسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

حجِ بیت اللہ کے حیرت ناک اثرات:

حج کے معاملے میں بھی قرآن مجید نے یہی اسلوب اختیار کیا اور گویا یوں فرمایا کہ اگر تمہیں حج کے فائدے بتلائے جائیں تو تم انہیں سمجھ ہی نہیں سکو گے۔ ہاں اگر خود حج کے لئے چلے جاؤ تو پتہ چل جائے گا کہ حج کے منافع کیا ہیں۔ تمہارا دل گواہی دے گا کہ تمہارے اندر انقلاب آ رہا ہے، تمہارے کردار میں تبدیلی آ رہی ہے۔ تمہاری سوچ تبدیل ہو رہی ہے۔ تمہارے جذبات بدل رہے ہیں اور یہاں آ کر تم کچھ اور ہو گئے ہو۔ حج پر جا کر آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ میں وہ نہیں ہوں جو اپنے وطن میں تھا، میں کچھ اور ہو گیا ہوں۔ یہ سب حجِ بیت اللہ کے حیرت ناک اثرات ہیں۔

سادگی مگر............

حالانکہ بیت اللہ شریف ایک سادہ سی عمارت ہے۔ بظاہر اس میں کوئی خوبصورتی اور فن تعمیر کی شاہکاری نظر نہیں آتی کالے پتھروں کی ایک عمارت ہے۔ جس میں کوئی کھڑکی تک نہیں، ایک دروازہ ہے اس پر بھی پردہ پڑا ہوا لیکن آنکھ ہے کہ اس کے دیکھنے سے تھکتی نہیں، سیر نہیں ہوتی، وہاں سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوتی اور دیکھتے رہنے کے باوجود دل نہیں بھرتا۔

عجیب مقناطیسیت

دنیا کے اندر بہت سی عجیب تعمیرات موجود ہیں۔ سات عجائب مشہور ہیں اور

اب تو دنیا عجائبات سے بھری ہوئی ہے لیکن ان سب کا حال یہ ہے کہ کسی انتہائی حسین سے حسین منظر اور خوبصورت سے خوبصورت عمارت کو ایک دفعہ دیکھیں، دو مرتبہ دیکھیں، دس مرتبہ دیکھ لیں، زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس مرتبہ دیکھنے سے دل بھر جائے گا حتیٰ کہ اُسے دیکھنے کو جی نہیں چاہے گا، لیکن اس کالے کالے پتھروں والے کمرے میں کیا عجیب مقناطیسیت ہے کہ نظروں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، دل موہ لیتا ہے کہ گھروں کو آنے کے باوجود دل وہیں لگا رہتا ہے۔ اور یوں لگتا ہے کہ خود تو آ گئے لیکن دل وہیں چھوڑ آئے۔

منافع بقدر اخلاص وتقویٰ:

اس لئے حج کے منافع بتلانے کے بجائے یوں کہا گیا کہ ''وہ خود آ کر اس کے منافع کا مشاہدہ کریں۔'' اور ہر شخص اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق ان منافع کا مشاہدہ کرے گا۔ جس کے اندر جتنا زیادہ اخلاص، تقویٰ اور جذبہ ہے اور جتنی زیادہ احتیاط کے ساتھ وہ حج کر رہا ہے۔ اتنے ہی اس کو منافع زیادہ نظر آئیں گے۔

ہر بار نئے منافع:

اور پھر ایک بات یہ ہے کہ جتنی بار حج پر جاؤ گے۔ ہر مرتبہ نئے فائدے نظر آئیں گے۔ ہر سال نظر آنے والے منافع بڑھتے ہی رہیں گے کیونکہ اس کے منافع کی کوئی حد وانتہاء نہیں ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق منافع کا مشاہدہ کر کے اپنے ایمان کے اندر تازگی پیدا کرتا ہے۔

قبولیتِ حج اور اس کی علامات:

میں آپ حضرات کو اس مبارک فریضے کی ادائیگی پر مبارکباد دیتا ہوں اور

یہ دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کے حج کو قبول فرمائے۔

پہلی علامت:

قبولیتِ حج کی ایک علامت احادیث کے اندر یہ آئی ہے کہ جمرات پر شیطان کو جو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ ان کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جن کا حج قبول ہوجاتا ہے، ان کی یہ کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں۔'' اور جو کنکریاں پڑی رہ جاتی ہیں یہ ان لوگوں کی ہوتی ہیں جن کا حج قبول نہیں ہوتا۔ اس لئے علماء کرام نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ وہاں کی کنکریاں اٹھا کر رمی نہ کی جائے کیونکہ یہ ان لوگوں کی کنکریاں ہیں جن کا حج مقبول نہیں ہوا۔

قرآن مجید میں بیت اللہ شریف کے بارے میں یہ کہا گیا ہے:

﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَات﴾ (آل عمران:۹۷)

''اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں''۔

ان کھلی کھلی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جن کا حج قبول ہوجاتا ہے۔ ان کی کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں۔

دوسری علامت:

قبولیتِ حج کی دوسری علامت وہ ہے جو ہم نے اپنے بزرگوں سے سنی، وہ یہ کہ حج سے واپس آنے کے بعد آدمی کے اعمال میں بہتری پیدا ہوجائے۔ فرائض وواجبات کی ادائیگی میں جتنا اہتمام پہلے ہوتا تھا۔ اب اس سے زیادہ ہونے لگی اور گناہوں سے بچنے کی پہلے جتنی کوشش کی جاتی تھی، اب اس سے زیادہ ہونے لگے۔ اگر کسی کے اندر یہ بات پیدا ہوجائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ ''حج مقبول''

لے کر آیا ہے۔

تیسری علامت:

ایک علامت اور بھی ہے۔ یہ بھی ہم نے اپنے بزرگوں سے سنی ہے۔ وہ یہ کہ دوبارہ وہاں جانے کا شوق بڑھ جاتا ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ حج کے بعد ہمارے اعمال میں کیا تبدیلی آئی ہے۔ فرائض وواجبات کی ادائیگی میں جو اہتمام حج سے پہلے ہوتا تھا۔ اس اہتمام میں بہتری آئی ہے یا نہیں؟ گناہوں سے بچنے کی جو کوشش حج سے پہلے ہوتی تھی۔ اس کوشش میں کچھ اضافہ ہوا ہے یا نہیں؟ اگر یہ تبدیلیاں ہوئی ہیں تو پھر یہ حج مقبول کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا حج نصیب فرمائے۔

مایوسی کی کوئی بات نہیں:

لیکن اگر خدانخواستہ اعمال میں بہتری پیدا نہیں ہوئی اور وہی کیفیت برقرار ہے جو حج سے پہلے تھی۔ تو بھی مایوسی کی کوئی بات نہیں، توبہ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اب توبہ کرلیں تو پچھلے سارے گناہ معاف۔

ولی اللہ بننے کا آسان طریقہ:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ولی اللہ بننا بہت مشکل کام ہے۔ اس کے لئے برسوں کے مجاہدوں اور ریاضتوں کی ضرورت ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل درست نہیں۔ ''ولی اللہ'' کا مطلب

ہے'' اللہ کا دوست۔'' اور ولی اللہ بننا ہر آدمی کے اختیار میں ہے۔ جب چاہے ولی اللہ بن جائے۔ ابھی آپ چاہیں تو ابھی ولی اللہ بن سکتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک منٹ میں آدمی اللہ رب العزت کے سامنے شرمندہ ہوکر اپنے سب گناہوں پر توبہ کرلے تو گناہوں سے پاک ہوجائے گا کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے:

﴿اَلتَّائِبُ من الذَّنْبِ کَمَنْ لَاذَنْبَ لَهٗ﴾

(مشکوۃ باب الاستغفار والتوبہ حدیث:۲۳۶۳)

''گناہ سے توبہ کرنے والا گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے اس نے کبھی کوئی گناہ ہی نہ ہو''۔

توبہ وہ کلیدِ کیمیا ہے جو مٹی کو سونا اور جوہر بنادیتی ہے۔ منٹوں میں آدمی گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے۔

حج قبول ہونے کا مطلب؟:

یہاں ایک بات سمجھ لیجئے۔ ایک ہے حج کا قبول ہونا، اور ایک ہے حج کا ادا ہونا۔ دونوں باتیں الگ الگ ہیں۔ حج تو اس وقت ادا ہوجائے گا جب آپ حج کے سارے اعمال قاعدے کے مطابق ادا کرلیں گے۔ حج کے دو ہی رکن ہیں۔ ایک وقوفِ عرفہ خواہ ایک منٹ کے لئے ہو اور دوسرے، طوافِ زیارت۔ باقی کچھ واجبات ہیں، کچھ شرائط ہیں اور کچھ سنن ومستحبات ہیں۔ لہٰذا اگر حج کے شرعی طریقہ کار کے مطابق فرائض وواجبات ادا کرلیں تو حج کا فریضہ ادا ہوگیا۔ لیکن اگر وہ حج مقبول نہیں تو اس پر ثواب نہیں ملے گا۔ اس لئے حج مقبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر اجروثواب بھی مرتب ہو۔

شکر کرنے کے ثمرات:

اور اگر حج سے آنے کے بعد آپ اپنے اعمال میں بہتری محسوس کرتے ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں شکر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب تم کسی نعمت پر شکر ادا کرو گے تو ہم اس نعمت میں اور اضافہ کریں گے۔[۱] لہٰذا شکر کا فائدہ یہ ہوگا کہ تمہارے اعمال میں اور بہتری پیدا ہوگی۔ نیک اعمال کا جذبہ اور پیدا ہوگا۔ گناہوں سے نفرت میں مزید اضافہ ہوگا۔ جتنا شکر کرتے جاؤ گے۔ اتنی یہ نعمت بڑھتی چلی جائے گی۔ اعمال خیر بڑھتے چلے جائیں گے اور گناہ کم ہوتے چلے جائیں گے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ طاعات میں مزہ آنے لگے گا اور گناہوں سے نفرت ہوجائے گی اور اگر خدانخواستہ کبھی گناہ میں مبتلا ہوبھی گئے تو اس میں مزہ نہیں آئے گا۔"

گناہ مزے کی چیز نہیں:

سچی بات یہ ہے کہ گناہ مزے کی چیز ہے ہی نہیں۔ اگر روحانی طور پر انسان تندرست ہے تو اُسے گناہ سے ہمیشہ وحشت اور نفرت ہوگی کیونکہ گناہ کرنے سے پہلے اس پر یہ تصور غالب ہوجائے گا کہ اپنے حقیقی خالق و مالک کی نافرمانی کر رہا ہوں اور تاجدار دو عالم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کے باوجود ان کے حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہوں۔ یہ تصور ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے اُسے گناہ میں مزہ نہیں آئے گا۔

---

[۱] قال اللہ تعالیٰ: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

گناہ میں لذّت آنے کی مثال:

لیکن اگر خدانخواستہ گناہ میں مزہ آنے لگے تو یہ تندرستی کی علامت نہیں بلکہ بیمار ہونے کی نشانی ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی بڑی اچھی مثال دی ہے۔ فرمایا کہ دیکھو! تندرست آدمی اگر کھجلائے تو اُسے اس میں کوئی مزہ نہیں آئے گا لیکن اگر اس کے خون میں تیزابیت پیدا ہونے سے خارش کی بیماری لگ جائے تو کھجلانے میں کتنا مزہ آتا ہے۔ مقولہ مشہور ہے:

''جو مزہ ہے کھاج میں، نہیں ہے وہ راج میں''

خارش کے مریض کو جو مزہ کھجلانے میں آتا ہے، اور کسی چیز میں نہیں آتا لیکن اس مزے کا آنا اس کے بیمار ہونے کی علامت ہے۔ اسی لئے وہ ڈاکٹروں کے پاس جاکر اپنی بیماری کا علاج کراتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میرے خون کی خرابی سے جو مجھے کھجلانے میں مزہ آنے لگا ہے، میرے اس مزے کو ختم کردو۔ اسی طرح اگر گناہوں میں مزہ آنے لگے تو اس مزے کے خاتمے کے لئے بھی علاج ضروری ہے۔

انسان ماحول سے متأثر ہوتا ہے:

یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ماحول سے متأثر ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کیفیت بھی یہ تھی کہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرتے کہ یارسول اللہ! جب ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں تو ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم جنت اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب گھر چلے جاتے ہیں اور بیوی بچوں کے ساتھ باتوں میں لگ کر اس کو بھول جاتے

ہیں۔[۱]

حج کے اثرات دراصل تقویٰ کی کیفیت ہے:

آپ حضرات حج پر تشریف لے گئے تو وہاں کے ماحول کے اثرات آپ پر پڑے اور ابھی تک وہ آثار موجود ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اثرات ماند پڑیں۔ ان کی حفاظت کیجئے۔ یہ اثرات دراصل تقویٰ کی کیفیت ہے۔ اس کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ قرآن مجید میں اس کی حفاظت کا طریقہ بتایا گیا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُو اللّٰهَ و كُوْنُوا مَعَ الصّٰادِقِیْنَ﴾

(التوبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو''۔

اس آیت میں پہلے یہ کہا گیا کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے۔ اس کی نافرمانی نہ کرو، اور گناہوں سے بچو۔

تقویٰ کیسے اختیار کریں؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا ماحول گناہوں سے بھرا ہوا ہے، ادھر جاؤ

---

[۱] صحیح مسلم میں اس سے متعلق حضرت حنظلہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ مذکور ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت حنظلہ کو اپنی کیفیت بدلنے پر نفاق کا ڈر ہوا جس کا تذکرہ انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا۔ اور اپنی حالت بتلائی انہوں نے جواب میں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھنے کے بعد تو ہماری بھی کیفیت بدل جاتی ہے۔ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ آپ کے اطمینان دلانے پر تسلی ہوئی۔ أنظر صحیح مسلم: باب فضل دوام الذکر و الفکر فی أمور الآخرة والمراقبه و جواز ترك ذلك فی بعض الأوقات والاشتغال بالدنیا۔ رقم الحدیث: ۲۷۵۔
أیضاً فی جامع الترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۱٤، و فی مسند احمد بن حنبل: ٤/۳٤٦

گناہوں کی دعوت، اُدھر جاؤ گناہوں کی کثرت، نگاہوں کو گناہوں سے بچانا آسان نہیں، کانوں کو گناہوں سے بچانا آسان نہیں، کہیں گانے باجے ہیں، کہیں غیبت ہے، کہیں گالیاں ہیں اور کہیں جھوٹ ہے۔ اپنے پیٹ کو حرام مال سے بچانا آسان نہیں، کہیں رشوت ہے، کہیں سود ہے، کہیں ناجائز ملازمتیں ہیں، کہیں کام چوری ہے (کہ تنخواہ تو پوری لے رہے ہیں لیکن ڈیوٹی پوری نہیں دے رہے) وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم تو بہت مختصر ہے لیکن جب اس کا عملی پہلو سامنے آتا ہے تو گناہوں سے بچنا آسان نظر نہیں آتا۔ گویا معاشرے کی حالت ایسی ہے کہ ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ بکھری ہوئی ہے اور آپ کو اسی کیچڑ میں چلنا ہے لیکن اپنے بدن، کپڑوں اور جوتوں کو اس کیچڑ سے بچانا ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں۔

قرآن مجید کا خاص اسلوب:

لیکن یہ حکم دینے والا رب الأرباب ہے، ہمارا خالق و مالک ہے، ہمارے اندر گناہوں کے جذبات بھی اُسی نے پیدا کئے۔ وہ ہماری کمزوریوں سے بھی واقف ہے اور ان کمزوریوں کا علاج بھی جانتا ہے چنانچہ قرآن مجید کا یہ اسلوب ہے کہ جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم دیتے ہیں جس میں کچھ مشقت یا مشکلات ہوں تو ساتھ ساتھ ایک اور حکم بھی دیتے ہیں۔ اس دوسرے حکم پر عمل کرنے سے پہلے حکم پر عمل پیرا ہونے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

تقویٰ اختیار کرنے کا طریقہ......اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا:

یہاں پر جب پہلے یہ حکم دیا کہ تم تقویٰ اختیار کرو (یعنی گناہوں سے بچو) تو ساتھ ہی ایک حکم دے دیا جس سے اس پر عمل کرنا آسان ہو گیا۔ وہ حکم یہ ہے:

﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾
''اور سچوں کے ساتھ رہو''۔

یعنی اللہ والوں کے ساتھ رہا کرو، اللہ والوں سے تعلق جوڑ لو۔ ان سے محبتیں پیدا کرلو۔ ان کے پاس جایا کرو۔ ان سے ملا کرو، ان کی باتیں سنا کر، وغیرہ۔ جب یہ ہوگا تو تقویٰ خود بخود پیدا ہوجائے گا۔ اللہ والوں کے ساتھ تمہارا ملنا جلنا جتنا زیادہ ہوگا۔ تمہارے لئے گناہوں سے بچنا اتنا ہی آسان ہوجائے گا۔

ایک واقعہ:

اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے منزل اتنی آسانی سے طے ہوتی ہے کہ راستہ میں آنے والی مشکلات کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب مشکل آئی تھی اور کب چلی گئی۔ ہم ایک مرتبہ اپنے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تھے۔ وہاں یہ بات چل رہی تھی کہ اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ اسی پر انہوں نے اپنا ایک قصہ سنایا، فرمایا کہ ہندوستان میں رہائش کے زمانے میں ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں ہم تفریح کے لئے مسوری گئے ہوئے تھے (مسوری ہندوستان کا ایک تفریحی مقام ہے اور یہ علاقہ دوسرے علاقوں کے مقابلے میں سرد بھی ہے) وہاں جس صاحب کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ ایک روز ہمیں صبح سویرے گھمانے کے لئے لے کر نکلے، پروگرام یہ تھا کہ آج دن بھر سیر کریں گے۔ پہاڑوں میں ایک جگہ ایسی تھی کہ ایک پہاڑ اور دوسرے پہاڑ کے درمیان کھائی تھی اور دونوں پہاڑوں کے درمیان مشکل سے صرف ایک فٹ کا فاصلہ ہوگا۔ اگر غلطی سے قدم ایک پہاڑ سے اٹھ کر دوسرے پہاڑ پر پڑنے کے بجائے درمیانی خلاء پر پڑ جائے تو کئی ہزار فٹ گہرے خلا میں چلا جائے۔ ہم پھلانگتے ہوئے جارہے تھے۔ جب اس جگہ کے

قریب پہنچے تو میزبان نے بتلایا کہ یہاں ایک جگہ ایسی آنے والی ہے جہاں دو پہاڑوں کے درمیان کھائی ہے۔ ذرا خیال رکھیں۔ جب وہ آئے گی تو میں آپ کو بتاؤں گا۔ جب وہ جگہ آگئی تو اس نے بتلادیا اور ہم آسانی سے پار ہوگئے کیونکہ فاصلہ زیادہ نہ تھا۔ (صرف ایک فٹ کا فاصلہ تھا)

لیکن میرے ذہن میں واپسی کے وقت کا خیال لگا رہا کہ شام کے قریب واپسی ہوگی تو اس وقت اسے کیسے پار کیا جائے گا۔ چنانچہ مغرب کے بعد ہماری واپسی ہوئی۔ چلتے چلتے میں نے میزبان سے کہا کہ ذرا اس جگہ کا خیال رکھئے گا جہاں خطرناک کھائی ہے۔ اس نے جواب دیا صاحب! وہ تو گذر بھی گئی۔

معلوم ہوا کہ اگر رہبرِ کامل ہو تو اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہیں مشکل پیش نہیں آتی بلکہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ کہیں مشکل تھی بھی سہی یا نہیں؟

تو قرآن مجید نے بھی تقویٰ کے راستے پر چلنے کا نسخہ یہ بتلایا کہ اللہ والوں کے ساتھ ہوجاؤ، راستہ کی مشکلات خود بخود دور ہوجائیں گی۔

اللہ والے قیامت تک رہیں گے:

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ آج کل اللہ والے کہاں ملتے ہیں؟ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانے میں اگر تم اللہ والوں کو ڈھونڈو گے تو تمہیں شیخ عبدالقادر جیلانی بایزید بسطامی اور مولانا روم جیسے لوگ نہیں ملیں گے۔ تمہیں اس زمانے کے اللہ والے ملیں گے اور الحمدللہ وہ موجود ہیں، قیامت تک رہیں گے۔ کیوں؟ خود اسی آیت میں اس کی دلیل ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ تم اللہ والوں کے ساتھ رہو۔ اور اگر اللہ والے موجود نہ ہوں تو ان کے ساتھ رہنا ممکن ہی

نہیں۔ (اور اللہ تعالیٰ ایسا حکم نہیں دیتے جس پر عمل کرنا ممکن نہ ہو) لہٰذا خود یہ آیت بتلا رہی ہے کہ قیامت تک اللہ والے رہیں گے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تلاش کرو۔

صراطِ مستقیم میں اللہ والوں کا حوالہ دیا گیا:

سورۃ فاتحہ جسے ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک دُعا سکھلائی کہ یوں کہو:

﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (الفاتحہ:۵)

اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائیے۔

اور پھر سیدھے راستے کی تشریح یوں نہیں کہ صِراطَ القُرآن (قرآن کا راستہ) صِراطَ الحدیث (حدیث کا راستہ) یا صراطَ الإسلام (اسلام کا راستہ) بلکہ اللہ والوں کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾

ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام کیا۔

انعام یافتہ لوگ:

اور انعام یافتہ لوگوں کی نشاندہی بھی فرمادی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ﴾ (النساء:۶۹)

"پس وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء، صدیق، شہید اور نیک

لوگ''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ انعام یافتہ لوگ چار قسم کے ہیں۔

۱۔ نبییّن ۲۔ صدیقین

۳۔ شہداء ۴۔ صالحین

اگرچہ آج انبیاء موجود نہیں لیکن اللہ والوں کے باقی تین طبقے موجود ہیں تو قرآن یہ بتلا رہا ہے کہ ان کا راستہ ڈھونڈو اور ان کے پیچھے لگ جاؤ، سیدھے جنت میں پہنچ جاؤ گے۔

اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا ایک خاص فائدہ:

اللہ والوں کے ساتھ رہنے میں ایک خاص فائدہ یہ ہے کہ اگر اعمال میں کچھ کمی ہوئی تو اس سے درجات تو کم ہوجائیں گے لیکن پہنچیں گے وہیں جہاں وہ پہنچیں گے۔ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک مثال دیا کرتے تھے کہ مثلاً کراچی سے ایک اعلیٰ قسم کی ریل پشاور کے لئے چلی، اس میں عمدہ اور شاندار قسم کی بوگیاں لگی ہوئی ہیں اور ہر طرح کی سہولتیں موجود ہیں۔ اس میں اونچے درجے کے حکام اور افسران سفر کر رہے ہیں۔ اسی ریل کے آخر میں ایک پرانا زنگ آلود ڈبہ بھی لگادیا گیا، تو اگرچہ اس ڈبے میں اور ان بوگیوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے لیکن اس ڈبے میں بیٹھا ہوا مسافر بھی وہیں پہنچے گا۔ جہاں وہ پہنچیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿المرء مَع مَن أحَبَّ﴾ (مشکوۃ)

''(آخرت میں) آدمی ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا''۔

اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے اثراتِ حج کی حفاظت:

اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ہم حج سے جو نیک جذبات لے کر آئے ہیں۔ تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی فضاؤں کے اثرات اپنے اندر لے کر آئے ہیں۔ ان کی حفاظت رہے گی کیونکہ یہ اللہ والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ غلام ہیں جنہوں نے اپنی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقالی میں لگا رکھی ہے۔

کیسے لوگوں کی صحبت میں رہیں:

اللہ والوں سے مراد بھی وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھال رکھی ہے۔ اور ایسا شخص اگر مستند عالم دین بھی ہو تو اس کی صحبت اختیار کرنا ہزار غنیمت ہے۔

لیکن اگر کسی کو اپنے قریب میں مستند عالم دین اللہ والا نہیں ملا لیکن ایسا شخص مل گیا جو باقاعدہ سند یافتہ عالم دین تو نہیں لیکن علماء کی صحبت میں رہا ہے اور علماء کرام نے اس پر اعتماد کیا ہے تو اس کی صحبت بھی غنیمت ہے۔ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب رحمتہ اللہ علیہ ضابطے کے عالم نہیں تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے چودہ سال تک صرف ایک کتاب پڑھی ہے، اور وہ کتاب میرا مرشد ہے۔ میں نے اپنے مرشد کو پڑھا ہے۔

دوسرا راستہ: تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانا:

اور اگر اللہ والوں سے کسی کا تعلق کسی وجہ سے قائم ہونا مشکل ہو رہا ہو۔ مثلاً

اللہ والا بہت دور رہتا ہے۔ اس سے تعلق قائم کرنے کا موقع نہیں مل رہا تو پھر دوسرا راستہ ہے۔ وہ یہ کہ الحمدللہ ہمارے تبلیغی جماعت کا کام ہورہا ہے۔ یہ ایک خاموش دینی انقلاب ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گذر رہا کہ جس میں یہ تبلیغی قافلے اللہ کا پیغام نہ پہنچار ہے ہوں۔

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ اس میں علماء کرام کی کمی ہے، لیکن جتنے کام میں وہ لگے ہیں، اتنا کام علماء پر موقوف نہیں۔ ان کا کام چھ نمبروں کی حد تک ہے البتہ اس کی برکت سے انہیں اور بھی بہت سی چیزیں ہوجاتی ہے۔ تو جسے اللہ والوں کی صحبت میسر نہ ہورہی ہو وہ تبلیغی جماعت میں زیادہ سے زیادہ وقت دے۔

تبلیغ میں لگنے کے لئے بھی حدود وقیود کی پابندی ضروری ہے:

لیکن خوب یاد رکھئے کہ تبلیغی جماعت میں لگنے کے لئے بھی حدود وقیود کی ضرورت ہے۔ لہٰذا تبلیغ میں اس طرح وقت لگائے کہ اس سے کسی کا حق تلف نہ ہو، نہ ماں باپ کا اور نہ بیوی بچوں کا۔ اگر ان کے حقوق تلف ہوئے تو قیامت کے روز اس سے مؤاخذہ ہوگا۔

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ:

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنی آخری عمر میں ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنے احسانات کئے ہیں کہ میں ان کا شکر ہی ادا نہیں کرسکتا۔ میں دنیا سے کوئی حسرت لیکر نہیں جارہا۔ اللہ تعالیٰ نے میری ساری ضرورتیں اور حسرتیں پوری فرمادیں لیکن صرف ایک حسرت لے کر جارہا ہوں۔ وہ حسرت ایسی ہے کہ وہ میرے ساتھ قبر تک جائے گی۔ (یہ بات کہتے وقت انکے

چہرے پر انتہائی غم کے آثار نمایاں تھے) ہم بڑی توجہ سے سننے لگے۔ فرمایا کہ جب میری والدہ مرض الموت میں مبتلا تھیں۔ اس وقت میں نے ان کی خدمت کے لئے تمام ممکنہ انتظامات کرر کھے تھے۔ خود بھی دن میں بار ہا حاضر ہوکر خود اپنے ہاتھوں سے خدمت کرتا۔ علاج معالجہ کا مکمل انتظام کرر کھا تھا۔ ان کا ایک نواسہ جس کو انہوں نے پالا تھا اور جس سے انہیں بے پناہ محبت تھی۔ اسے چھٹی دلوا کر انہیں میں نے خدمت میں مقرر کرر کھا تھا۔ ان کی پوتی (یعنی ہماری بہن) لاہور میں تھی، وہ ان کی بہت چہیتی تھی۔ میں نے اُسے لاہور سے بلوا کر ان کی خدمت کے لئے مقرر کرر کھا تھا۔

اگر چہ میں نے یہ سب انتظامات کرر کھے تھے لیکن میری والدہ کی خواہش یہ تھی کہ شفیع میری چار پائی کی پٹی سے لگا بیٹھا رہے کیونکہ میں ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ میں یہ سوچتا تھا کہ میرے ذمے فتوی کا کام ہے، دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داری بھی ہے، ملک وملت کے بھی کئی کام سرانجام دے رہا ہوں۔ تفسیر معارف القرآن بھی جاری ہے۔ یہ دین کے اہم کام ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا تھا کہ میں مجبور ہوں۔ لیکن ''کاش! اپنے سارے کاموں کو آگ لگا دیتا اور اپنی والدہ کی پٹی سے لگ کر بیٹھ جاتا۔''

یہ اس شخصیت کی سوچ ہے کہ جس کی فقاہت کا لوہا پوری دنیا نے مانا اور ہندوستان و پاکستان کے علماء نے اسے مفتی اعظم پاکستان کا لقب دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین کے کاموں میں مختلف درجات ہیں۔ اعتدال کے ساتھ ان سب کو انجام دینا ہے۔ ان حدود کے ساتھ تبلیغی جماعت کا کام کریں۔

معمولاتِ یومیہ

ا۔ دینی کتب کا مطالعہ:

فارغ اوقات میں دینی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ الحمدللہ ہر زبان میں دینی

کتابیں موجود ہیں، جس کی جو زبان ہے، وہ اسی میں انکا مطالعہ کرسکتا ہے۔

۲۔تلاوت قرآن مجید:

روزانہ تلاوت قرآن کا اہتمام کریں۔ اس میں ناغہ نہ ہو۔ اگر زیادہ نہ ہوسکے تو کم ازکم ایک رکوع ہی کی تلاوت کرلیں۔ فجر کی نماز کے بعد جتنی فرصت ملے ،خواہ دو تین منٹ ہی کیوں نہ ہو، تلاوتِ قرآن کی کوشش کریں۔

۳۔مناجاتِ مقبول کی دُعائیں پڑھنا:

اس کے علاوہ مناجات مقبول میں سے بھی ہر روز کی دُعائیں اسی روز کے اعتبار سے مانگیں۔ اس میں وہ ساری دُعائیں موجود ہیں جو قرآن مجید میں آئی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی اور امت کو سکھائی ہوئی دُعائیں ہیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے ان دعاؤں کو جمع کیا ہے۔ ان دُعاؤں کو سات حصوں میں تقسیم کردیا اور ہر حصے کا نام رکھا ''منزل'' مثلاً ہفتے کی منزل، اتوار کی منزل، پیر کی منزل وغیرہ۔ دُعائیں عربی میں ہیں، نیچے اردو میں ترجمہ بھی ہے۔ تلاوت کے لئے کوشش کریں کہ روزانہ ایک منزل پڑھ لیں۔ اگر شروع میں پڑھنے میں دقت ہو اور پوری ایک منزل نہ پڑھی جاسکے تو آدھی منزل پڑھ لیں، آدھی منزل پڑھنا بھی مشکل ہو تو پاؤ منزل پڑھ لیں۔ مجھے ایک منزل پڑھنے میں چھ منٹ لگتے ہیں جب آپ کو عادت ہوجائے گی تو آپ بھی چھ منٹ میں ایک منزل پڑھ لیا کریں گے۔

اس منزل میں بہت جامع دُعائیں ہیں۔ اپنے اور اپنے متعلقین کے دین ودنیا میں ہر اعتبار سے مانگنے کی چیزیں موجود ہیں۔ اگر ہم چوبیس گھنٹے سوچیں کہ ہم کیا

کیا چیزیں اللہ تعالیٰ سے مانگیں، تو بھی ہم وہ باتیں نہیں سوچ سکتے جو اس کے اندر آ گئی ہیں۔

دو کام ہر حال میں:

ان کے علاوہ دو کام ایسے ہیں کہ جو ہر حال میں کرنے ہی ہیں۔

۱۔ نماز کی پابندی اور وہ بھی جماعت کے ساتھ اور اگر کسی وجہ سے جماعت نہ مل سکے تو جہاں ہوں، جس حال میں بھی ہوں، نماز نہ چھوڑیں۔

۲۔ مالِ حرام سے بچنے کی کوشش۔

مال حرام سے مکمل اجتناب ضروری ہے:

مالِ حرام کو اپنے لئے زہرِ قاتل سمجھیں۔ اپنے گھر میں ہرگز مال حرام نہ آنے دیں خواہ کسی بھی شکل میں ہو، رشوت کی شکل میں ہو، سود کی شکل میں ہو، بینک کی ملازمت میں اگر سودی معاملات سے واسطہ پڑتا ہو تو وہ کام بھی حرام اور اس سے ملنے والی تنخواہ بھی حرام ہے۔ اسی طرح کام چوری کر کے پوری تنخواہ لینا بھی حرام ہے۔ حرام کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آدمی زکوٰۃ کا مستحق نہ ہو اور زکوٰۃ لے لے اسی طرح کاروبار میں جھوٹ بول کر، کم ناپ کر اور کم تول کر پیسے کمانا بھی حرام ہے۔

غرضیکہ حرام خوری کے جتنے بھی طریقے ہیں۔ ان سب سے اجتناب کریں اور نماز کی پابندی کرلیں تو اللہ رب العزت کی رحمت سے توقع ہے کہ انشاء اللہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

اللہ تعالیٰ کی
بے شمار نعمتیں

موضوع: اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں

مقرر: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں﴾

خطبہ:

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم،

امابعد:

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم "الایمان بضع و ستون أو سبعون شعبۃ اعلاھا قول لا الٰہ الا اللّٰہ و ادناھا اماطۃ الأذیٰ عن الطریق و الحیاء شعبۃ من الایمان" (متفق علیہ)

''ایمان کے ساٹھ یا ستر سے زیادہ شعبے ہیں، جن میں سب سے اعلیٰ شعبہ لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ شعبہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیا ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے''۔

ایمان کے شعبے:

اس حدیث میں یہ بتلایا گیا کہ ایمان کے ساٹھ یا ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔

اِس بارے میں دو روایات ہیں۔ بعض میں بضع وستون کے الفاظ ہیں جس کا مطلب ہے ساٹھ سے زیادہ اور بعض میں بضع وسبعون کے الفاظ موجود ہیں جس کے معنی ہیں ستر سے زیادہ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ایمان کے ستتر شعبے ہیں۔

ان ستتر (۷۷) شعبوں میں سے یہاں صرف تین شعبوں کا ذکر کیا گیا، سب سے افضل، سب سے ادنی اور ایک درمیانے اور عظیم شعبے کا ذکر کیا گیا ہے۔

حیا۔ ایمان کا ایک عظیم شعبہ:

حیا ایمان کا ایک عظیم شعبہ اور انسان کی ایک شریفانہ صفت ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اِس حدیث میں حیا سے مراد اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی یہ تصور کرے کہ اللہ رب العزت کی نعمتیں مجھ پر کتنی زیادہ ہیں اور میری طرف سے ان نعمتوں کے شکر میں کتنی کوتاہیاں ہوتی ہیں، نماز میں سستی ہو جاتی ہے، چھوٹے بڑے گناہ بھی ہو جاتے ہیں وغیرہ، یہ سوچ کر گناہ کرنے سے شرمانے لگے اور یہ سوچ کر گناہ چھوڑ دے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں، میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیسے کروں۔ اِسے حیاءِ شرعی کہتے ہیں۔

حیا۔ ایک عظیم نعمت:

اور یہ حیا ایسی عظیم نعمت ہے کہ جس شخص کو یہ نصیب ہو جائے، وہ گناہوں سے بچ جائے گا اور متقی، پرہیزگار شخص بن جائے گا کیونکہ ہر گناہ کرتے ہوئے اُسے اللہ تعالیٰ سے شرم آئے گی نتیجتاً وہ گناہ اس سے چھوٹ جائے گا۔

اس بات کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ کا کوئی میزبان ہے وہ آپ کی تمام راحتوں کا ہر لحاظ سے خیال رکھتا ہے، بیٹھنے، لیٹنے، کھانے،

پینے وغیرہ ہر چیز کا آرام دہ اور بہتر سے بہتر انتظام موجود ہے، اتنے انتظامات کرنے کے بعد وہ آپ سے کوئی معمولی بات کہتا ہے مثلاً یہ کہتا ہے کہ ہمارے لئے دعا کر دیجئے، ہمارے بچے کے لئے دُعا کر دیجئے وغیرہ تو آپ اس سے انکار کرتے ہوئے شرمائیں گے کہ اس نے اتنی راحت و آرام کا سامان کر رکھا ہے اور میں یہ چھوٹا سا کام بھی نہ کروں تو یہ بڑی بدتمیزی اور بے حیائی کی بات ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچنے کا فائدہ:

بالکل اسی طرح انسان جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں سوچے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ہم پر کتنی زبردست بارش ہے۔ ہر وقت اور ہر آن ہم اس کی نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں جب کہ اللہ رب العزت نے ہمیں کچھ آسان اعمال کرنے کے لئے کہا ہے، اگر ہم انہیں نہیں کریں گے تو یہ بھی بے حیائی کی بات ہوگی۔ تو یہ سوچنے کے بعد اسے گناہ کرتے ہوئے شرم آئے گی۔

سانس لینا۔ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے:

ہم پر اللہ رب العزت کی نعمتیں اس قدر ہیں کہ ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ہم جو سانس لیتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس ہوا سے ہم سانس لیتے ہیں، وہ چار گیسوں کا مجموعہ ہے، جب ہم سانس لیتے ہیں تو صرف آکسیجن استعمال کرتے ہیں۔ اِس آکسیجن کی ہمیں ہر آن ضرورت ہے، دن میں بھی ضرورت ہے، رات میں بھی ضرورت ہے، جاگتے ہوئے بھی ضرورت ہے، سوتے ہوئے بھی ضرورت ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کا انعام و کرم دیکھئے کہ ہم سو جاتے ہیں لیکن دینے والا ہمیں آکسیجن فراہم کرتا رہتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ تھوڑی دیر کے لئے آکسیجن روک لیں تو

دم گھٹ جائے گا اور موت واقع ہو جائے گی۔

یہ نعمت مفت میں ہر وقت ملی ہوئی ہے:

یہ نعمت ہمیں ہر وقت ملی ہوئی ہے اور بلا معاوضہ ملی ہوئی ہے۔ یہ کتنی قیمتی نعمت ہے ذرا بازار سے اس کی قیمت معلوم کر کے دیکھئے! مارکیٹ سے آکسیجن کے ڈرم ملتے ہیں۔ بعض مریضوں کو انتہائی نازک صورت میں لگائی جاتی ہے، مریض کے ناک میں نلکی لگا کر آکسیجن اس کے پھیپھڑوں تک پہنچائی جاتی ہے۔ یہ ڈرم خود بھی کافی مہنگا آتا ہے پھر لگانے کے لئے جو ڈاکٹر وغیرہ آتا ہے، وہ بھی بھاری فیس وصول کرتا ہے اور پھر بھی وہ راحت حاصل نہیں ہوتی جو قدرتی ہوا سے سانس لینے کے بدلے میں ہوتی ہے

ذرا اندازہ لگایئے! یہ سانس لینا بظاہر کتنی چھوٹی سی چیز ہے لیکن اس پر انسانی زندگی موقوف ہے اور کوئی انسان اِس ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

پانی کی نعمت:

اسی طرح پانی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ ایسی عظیم نعمت ہے کہ دنیا کے قیمتی سے قیمتی اور اعلیٰ سے اعلیٰ مشروبات ایک طرف اور پانی ایک طرف۔ یہ سب مشروبات مل کر پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کوکا کولا، پیپسی کولا، روح افزا وغیرہ وغیرہ پانی کے مقابلے میں کچھ نہیں حالانکہ ان کے خریدنے میں رقم بھی خرچ کرنا پڑتی ہے۔ شربت کا ایک گلاس پئیں یا دو چار گلاس یا اس سے زیادہ پی لیں، لیکن کچھ دیر بعد جی بھر جائے گا، پینے کو جی نہیں چاہے گا۔ ایک روز سارا دن پیاس لگنے پر پیتے رہو اگلے دن نہیں پی سکو گے۔ لیکن پانی ایسی نعمت ہے کہ آپ اسے ہر گھنٹے،

آدھے گھنٹے بعد پئیں تو مزہ آئے گا، دل نہیں اکتائے گا۔ دنیا میں اتنا لذیذ مشروب کوئی اور ہے ہی نہیں جتنا لذیذ پانی ہے۔ اگر آپ کو تین دن تک پانی نہ ملے اور آپ مسلسل بوتلیں استعمال کریں تو تھک ہار کر کہیں گے کہ خدا کے لئے اِن بوتلوں سے میری جان چھڑاؤ، مجھے کہیں سے پانی لاکر دو۔

لیکن اندازہ لگائیے کہ یہ بوتلیں تو کتنی مہنگی ملتی ہیں جب کہ پانی جیسا عظیم مشروب کہ جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، وہ اللہ تعالیٰ نے مفت دے رکھا ہے اور ہر جگہ دے دیتا ہے۔

ہارون الرشید کا ایک واقعہ:

ہارون الرشید بنوعباس کے مشہور خلیفہ ہیں۔ ان کے اردگرد اہل علم، دانا اور حکمت والے لوگ بھی ہوتے تھے، تاکہ یہ لوگ وقتاً فوقتاً ان کے کانوں میں ایسی باتیں ڈالتے رہیں، جس سے ان کے علم میں اضافہ ہو، ان کی بصیرت میں اضافہ ہو، ایمان میں قوت پیدا ہو، عمل مین اصلاح ہو۔ انہی اہل علم لوگوں میں سے ایک مشہور عالم اور فقیہ یحییٰ ابن اکثم بھی بادشاہ کے مصاحبین میں سے تھے۔

ایک روز خلیفہ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ امیر المومنین نے پانی طلب کیا، پانی آ گیا، اُسے پینے کے لئے جب وہ گلاس کو منہ کے قریب لے گئے تو یحییٰ بن اکثم نے کہا: اے امیر المومنین! ذرا تھوڑی دیر ٹھہر جائیے۔ امیر المومنین ان کی عزت واحترام کرتے تھے، یہ بہت دانا اور سمجھدار شخص تھے۔ ان کی بات سن کر امیر المومنین رک گئے۔ جب انہوں نے گلاس منہ سے ہٹا لیا تو یحییٰ بن اکثم نے سوال کیا: اے امیر المومنین! ایک بات بتلائیے وہ یہ کہ اگر آپ سے گلاس کا پانی روک لیا جائے تو اسے آپ کتنے میں خریدنے کے لئے تیار ہو جائیں گے؟۔

خلیفہ ہارون الرشید نے یحییٰ بن اکثم کے اس سوال کرنے پر غور کیا اور پھر فرمایا کہ اس کے بغیر تو زندگی ہی نہیں، اگر اس کے لئے مجھے اپنی آدھی سلطنت بھی دینی پڑے تو وہ بھی دے دوں گا۔ غور کیجئے! یہ کوئی معمولی بات نہیں، اِس وقت پوری دنیا میں اتنی وسیع حکومت کوئی نہیں تھی، جتنی بڑی وہ حکومت تھی۔ ایشیا کا تقریباً سارا علاقہ ان کے زیرِنگین تھا۔ چین، جاپان اور مشرقِ بعید کے چند علاقوں کے علاوہ تمام علاقوں پر ان کی حکومت تھی، مشرقی افریقہ اور شمالی افریقہ کے سارے ممالک بنوعباس کے زیرِ حکومت تھے، اور اسلامی حکومت اسپین اور فرانس تک پہنچی ہوئی تھی تو وہ اتنی بڑی سلطنت کو ایک گلاس پانی پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

امیر المومنین کا یہ جواب سن کر یحییٰ بن اکثم نے فرمایا! ٹھیک ہے اے امیر المومنین! نوش فرمایئے۔ ہارون الرشید نے پانی پی لیا اور گلاس رکھ دیا۔ یحییٰ بن اکثم نے پھر عرض کیا کہ اے امیر المومنین ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا: فرمایئے، یحییٰ بن اکثم نے فرمایا: اے امیر المومنین! جو پانی آپ نے پیا ہے، اگر اُس کو پیشاب کے راستے سے باہر نکلنے سے روک دیا جائے تو اُسے نکالنے کے لئے آپ کیا کچھ خرچ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ امیر المومنین نے غور کیا اور پھر فرمایا کہ اگر پیشاب بند ہو جائے تو زندگی ہی جاتی رہے گی لہٰذا اس کے لئے میں آدھی سلطنت بھی دینے کے لئے تیار ہوں۔

یہ سن کر یحییٰ بن اکثم نے فرمایا: اے امیر المومنین! یہ ایک گلاس کا پانی جو ہر غریب سے غریب آدمی کو دستیاب ہے، آپ کی پوری حکومت اس کی برابری نہیں کر سکتی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پانی واقعی اتنی ہی عظیم الشان نعمت ہے۔ اور اس کا جسم سے اخراج بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

جسم سے پیشاب نکلنا بہت بڑی نعمت ہے:

اس کی قدر و قیمت ان لوگوں سے پوچھئے جن کے گردے بیکار ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ پانی پیتے ہیں لیکن ان کے گردے اس پانی کی صفائی نہیں کر سکتے، پیشاب نہیں بنتا اور جسم سے باہر نہیں نکلتا، نتیجہ یہ ہے کہ ہفتہ میں تین مرتبہ ڈائلیسز (Dylessis) کرنا پڑتا ہے۔ ایک دن کی ڈائلیسز کی فیس تین ہزار روپے ہوتی ہے اس طرح ہفتہ میں نو ہزار روپے کا خرچہ ہے، اگر بہت ہی سستا ہو تو ایک ہزار میں ہو جاتا ہے، اس طرح ہفتہ میں کم از کم تین ہزار روپے کا خرچہ ہے صرف ایک ہفتے کے لئے پیشاب کا انتظام کرنے کے بدلے میں۔ اور زندگی اسی طرح گذر رہی ہے۔

اللہ رب العزت کا ہم پر یہ کتنا احسان ہے کہ اس نے ہمارے جسم میں ایسا نظام بنا رکھا ہے کہ ہمارے جسم کو جتنے پانی کی ضرورت ہوتی ہے، اتنا پانی ہمارا جسم جذب کر لیتا ہے، جس سے نشو و نما میں مدد ملتی ہے اور زائد پانی کو نکال دیتا ہے۔

گردوں کے ہسپتال کا دورہ:

یہاں کراچی میں سول ہسپتال کے قریب گردوں کے امراض سے متعلق ایک بہت بڑا ادارہ ہے۔ اس ادارے کے سربراہ ملک کے مایہ ناز گردوں کے امراض کے سپیشلسٹ اور عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے ادارے میں آنے کی دعوت دی اور دعوت دینے کی غرض یہ تھی کہ وہ ہم سے یہ فتویٰ مانگنا چاہتے تھے کہ کیا کسی ایک آدمی کا گردہ دوسرے آدمی کو لگانا جائز ہے یا نہیں؟ فتویٰ دینے سے پہلے آپ اس عمل کا مشاہدہ کر لیں۔

ہم وہاں گئے، انہوں نے ہسپتال میں بہت سے انتظامات کر رکھے تھے۔

ہم نے دیکھا کہ وہاں بہت سے لوگ موجود ہیں، جن کا ڈائلیسز ہو رہا ہے۔ ڈائلیسز کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بہت بڑی مشین ہوتی ہے جو گردے کا کام کرتی ہے یعنی جسم کا پورا خون ایک طرف سے نکالا جاتا ہے اور دوسری طرف سے جسم میں داخل کیا جاتا ہے اور وہ مشین اس خون میں موجود پیشاب کے حصے کو نکال کر باہر پھینکتی ہے یہ عمل چار گھنٹوں میں مکمل ہوتا ہے تو جو کام ایک معمولی سائز کا گردہ کرتا ہے، وہ کام ایک بہت بڑے حجم کی مشین سے لیا جاتا ہے۔

ہمیں بہت سے ایسے لوگ بھی دکھائے گئے جن کے گردے تبدیل کئے گئے تھے۔ ایک آدمی کا گردہ نکال کر دوسرے کے جسم میں لگایا گیا تھا، ہم نے وہ مریض بھی دیکھے جن کے جسموں سے گردے نکالے گئے تھے اور وہ مریض بھی دیکھے جن کے جسموں میں گردے لگائے گئے تھے۔

کیا مصنوعی گردہ بنایا جا سکتا ہے؟:

میں نے ان سے سوال کیا کہ اب تو ہر چیز مصنوعی بننے لگی ہے کیا ابھی تک سائنس کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی کہ کوئی ربڑ یا پلاسٹک وغیرہ کا مصنوعی گردہ بنا لیا جائے اور پھر اسے انسان کے جسم میں لگا کر اس سے مطلوبہ مقصد حاصل کیا جائے تاکہ کسی انسان کے گردے کو نکال کر دوسرے انسان کے جسم میں لگانے کی نوبت ہی نہ آئے۔

انہوں نے جواب دیا کہ ایسا ہونا تقریباً ناممکن ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ گردہ ایک چھلنی ہے، اس میں پانی چھنتا ہے، خراب پانی مثانے کی طرف چلا جاتا ہے اور صاف پانی انسان کی تروتازگی کا سبب بنتا ہے۔ اس پانی کے چھننے کے لئے گردوں کے اندر انتہائی باریک نالیاں لگی ہوئی ہیں، یہ نالیاں اتنی باریک ہیں کہ عام نگاہ سے

دکھائی نہیں دیتیں بلکہ انہیں خوردبین کے ذریعے سے دیکھا جاتا ہے اور ایک انسان کے گردے میں اِن نالیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اگر انہیں انسان کے جسم سے نکال ایک دوسرے سے جوڑ کر لمبائی میں پھیلایا جائے تو یہاں (کراچی) سے لے کر حیدرآباد تک پہنچ جائیں۔ اس قدر باریک باریک نالیاں کونسی مشین بنا سکتی ہے کہ انہیں تیار کر کے انسانی جسم میں لگا دے، ابھی تک ایسی ٹیکنالوجی ایجاد نہیں ہوئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض سائنس اس قدر باریک نالیاں بنانے میں کامیاب ہو بھی جائے تو ان پر اتنا زیادہ خرچہ آئے گا کہ انہیں لگایا ہی نہیں جا سکے گا۔

اور پھر ایک اور بات یہ ہے کہ گردہ صرف یہی کام نہیں کرتا کہ وہ پانی کو چھانتا ہے بلکہ وہ ایک لمبا چوڑا حساب بھی کرتا ہے۔ وہ حساب یہ ہے کہ انسان کے جسم میں تیرہ لٹر پانی ہر وقت موجود رہنا چاہئے، اگر اس سے کم ہوگا تو انسان کی نشوونما رک جائے گی، بیمار پڑ جائے گا، یہاں تک کہ جان جانے کا بھی خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ جب پانی گردے سے گزرتا ہے تو وہ حساب لگاتا ہے کہ اس وقت جسم میں کتنا پانی موجود ہے اور اسے مزید کتنے پانی کی ضرورت ہے اور اس وقت کتنا پانی زائد ہے وغیرہ جو پانی زائد ہوتا ہے اسے باہر نکال دیتا ہے اور باقی واپس جسم کی طرف بھیج دیتا ہے۔ اگر ہم نے کوئی ایسا مصنوعی گردہ تیار بھی کر لیا کہ جس میں باریک باریک چھلنیاں لگی ہوں تو اِس گردے کو اس حساب و کتاب کے کرنے کے لئے عقل کہاں سے دیں گے؟ لہٰذا ہمارے لئے اس طرح کا گردہ بنانا ممکن نہیں۔

غور کیجئے کہ یہ گردہ کتنی بڑی نعمت ہے جو اتنا بڑا اور باریک کام کرتا ہے اور مسلسل کرتا رہتا ہے۔

دل۔ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت:

اس کے علاوہ ہمارے جسم میں اللہ کی ایک اور نعمت ''دل'' کی صورت میں

موجود ہے۔ دل ایک پمپ کرتا ہے، یہ ہر وقت دھڑکتا رہتا ہے۔ دنیا میں آج تک کوئی ایسا پمپ تیار نہیں ہوا جو ستر اسی سال تک کسی وقفے کے بغیر مسلسل پمپنگ کا کام کرتا رہے۔

یہ دل روزانہ کئی من خون پمپ کرتا ہے۔ جب ایک مرتبہ دل دھڑکتا ہے تو جسم میں موجود سارا خون پمپ ہوتا ہے، پھر دوسری مرتبہ دھڑکتا ہے تو اس طرح دوسری مرتبہ سارا خون پمپ ہوتا ہے۔ ایک منٹ میں کتنی مرتبہ دل دھڑکتا ہے اور ہر مرتبہ کتنے خون کو پمپ کرتا ہے، اگر اس کا حساب لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ دن بھر میں ٹنوں اور منوں کے حساب سے خون کی مقدار کو یہ دھکا دیتا ہے۔

دنیا کا کوئی پمپ اس طرح کام نہیں کرسکتا

اور پھر ایک اہم بات یہ ہے کہ یہ پمپ سالہا سال تک مسلسل چلتا رہتا ہے۔ دنیا والوں کے بنائے ہوئے پمپ مسلسل کام نہیں کرسکتے، فولاد یا لوہے کا بنا ہوا پمپ بھی مسلسل کئی سال تک نہیں چل سکتا بلکہ ایک، دو سال بعد گھسنے لگتا ہے، دنیا میں آج تک ایسا پمپ ایجاد نہیں ہوا جو ستر، اسی سال تک کسی وقفے کے بغیر مسلسل چلتا رہے؟ عام طور پر پمپنگ سٹیشن پر کئی پمپ رکھے جاتے ہیں کہ جب ایک پمپ تھک جائے گا تو دوسرا چلایا جائے گا۔ ہمارے دارالعلوم میں پمپنگ سٹیشن (Pumping station) ہے۔ یہ زیر زمین پانی کے ذخیرہ کی ایک ٹینکی ہے، اس پانی کو پورے دارالعلوم میں بھیجنے کے لئے ایک بہت بڑا کمرہ بنایا گیا ہے، جس میں چار پمپ لگے ہوئے ہیں۔ انجینئروں نے کہا کہ اگر آپ صرف ایک پمپ لگائیں گے تو دو تین گھنٹوں میں گرم ہو کر بے کار ہو جائے گا، لہٰذا اس کی بجائے کئی پمپ لگانے پڑیں گے اور ان کے اوقات مقرر کرنا ہوں گے کہ اتنی دیر یہ پمپ چلے گا، پھر دوسرا چلے گا،

پھر تیسرا چلے گا وغیرہ اس طرح کرنے سے کام ہوگا ورنہ نہیں ہوسکتا۔

دیکھئے یہ دل کتنی بڑی نعمت ہے کہ لوہے کے لگے ہوئے پمپ بھی مسلسل کام نہیں کر سکتے جب کہ یہ دل مسلسل کئی سالوں تک کام کرتا ہے، ایک منٹ کا وقفہ بھی نہیں کرتا، اگر یہ تھوڑی دیر کے لئے رک جائے تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے فضل وکرم سے یہ نعمت غریب سے غریب آدمی کو بھی دے رکھی ہے۔ یہ تو صرف چند نعمتوں کا ذکر ہوا، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اور بھی لامحدود نعمتیں ہیں۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی طرف دھیان کرے گا اور اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈالے گا تو اُس سے جو کیفیت پیدا ہوگی اسی کا نام حیا اور شرمندگی ہے۔

اس حیا اور شرمندگی کی وجہ سے وہ گناہوں سے بچے گا، اسی لئے حیا کو ایمان کا شعبہ قرار دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اِس حیا کے تمام تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين

دو کمزور
یَتیم اوْر عوَرت

موضوع — کمزور، یتیم اور عورت
مقرر — حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام — مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب — مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام — محمد ناظم اشرف

دو کمزور۔ یتیم اور عورت

خطبہ:

نحمده ونصلى على رسوله الكريم ٥

امابعد:

عن أبى شريح خويلد بن عمرو الخزاعى رضى الله عنه قال: قال النبى صلى الله عليه وسلم " اللّٰهم إنى أحرّج حق الضعيفين ، اليتيم والمرأة"

(حديث حسن رواه النسائى باسناد جيد وايضاً فى مسند احمد بن حنبل (٤٣٩/٢) وابن ماجه رقم الحديث: ٣٦٧٨)

حدیث کا مطلب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''اے اللہ! دو قسم کے ضعیفوں کی حق تلفی کرنے کو میں گناہ قرار دیتا ہوں۔''

مطلب یہ کہ جو شخص ان دو قسم کے ضعیفوں کا حق پامال کریگا، وہ سخت گنہگار ہوگا اور سزا کا مستحق ہوگا۔ ان میں ایک یتیم کا ذکر فرمایا اور دوسرے، عورت کا۔

یتیم اور عورت دونوں ضعیف ہیں:

یتیم بھی ضعیف ہے کہ وہ اپنے مال، جان اور آبرو کی خود حفاظت نہیں کرسکتا، وہ اپنا حق بھی خود وصول نہیں کرسکتا۔ یتیم ہے، باپ کا انتقال ہوچکا ہے، خود بچہ ہے، بھلا وہ کیسے اپنے حقوق وصول کرسکتا ہے۔

دوسرے عورت، کہ وہ بھی جسمانی، خلقی اور پیدائشی طور پر کمزور ہے۔ اگر کوئی مرد اس کا حق مارلے تو عموماً وہ بیچاری اپنا حق وصول کرنے پر قادر نہیں ہوتی۔

یتیم کا مال کھانے کی وعید:

یتیم کے بارے میں قرآن مجید کی متعدد آیات اور کئی دیگر احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْماً اِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَاراًط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْراً﴾ (النساء:۱۰)

''جو لوگ یتیموں کا مال ناحق طور پر کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے''۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

''یتیم کا مال ناحق کھانے والا شخص قیامت کے روز اس حالت میں اٹھایا جائے گا کہ پیٹ کے اندر سے آگ کی لپٹیں اس کے

منہ، ناک، کانوں اور آنکھوں تک نکل رہی ہوں گی‘‘۔

(ابن کثیر ا/۴۰۳)

یتیم کا مال کھانے کی ایک صورت، جس کی طرف دھیان نہیں جاتا:

ویسے تو یتیم کے مال کو کھانا، اس کے حق کو مارنا، اس کے ساتھ بدسلوکی کرنا اوراس کے ساتھ ناانصافی کرنے کو عام طور پر ہرانسان برا سمجھتا ہے اور بے رحمی قرار دیتا ہے لیکن اس کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ عام طور پر لوگوں کا انکی طرف دھیان نہیں جاتا اور یہ خیال تک نہیں گذرتا کہ ہم یتیموں کا مال کھا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ خود بھی یتیموں کا مال کھارہے ہوتے ہیں بلکہ بسا اوقات دوسروں کو بھی یتیموں کا مال کھلا دیتے ہیں۔

ان میں سے ایک بات وہ ہے جو ناواقف لوگوں اور طرح طرح کی رسموں کے شکار افراد میں پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب ان میں سے کسی کے میت ہوجائے تو تعزیت کے لئے اس کی برادری کے لوگ اور دیگر دوست واحباب آتے ہیں۔ اور اس کے گھر میں آ کر پڑاؤ ڈال دیتے ہیں۔ یا صبح شام آتے رہتے ہیں۔ دوپہر کا کھانا بھی یہیں کھاتے ہیں اور شام کا کھانا بھی میت والوں کے ہاں کھاتے ہیں۔ کئی کئی دن تک ان کا یہ معمول چلتا رہتا ہے۔ بجائے اس کے کہ میت والوں کی مدد کی جاتی، الٹے ان پر بوجھ بن جاتے ہیں۔

شریعت کا بتلایا ہوا ادب اور ہمارا طرزِ عمل:

حالانکہ یہ بات آداب میں سے ہے اور پڑھے لکھے لوگوں میں بھی عام طور پر یہ طریقہ رائج ہے کہ جن کے ہاں میت ہوجاتی ہے کہ ان کے دوست احباب اورقریبی رشتے داران کے ہاں پکا ہوا کھانا بھیجتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہدایت بھی یہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ غم میں مبتلا ہوتے ہیں، کھانے کا سامان اور اسے تیار کرنے کا کام اب ان کے لئے آسان نہیں رہا۔ بلکہ غم کی وجہ سے ان کا کھانا کھانے کو جی بھی نہیں چاہتا تو شریعت نے یہ ادب بتلایا کہ تم پکاپکایا کھانا لے جاکر اپنے سامنے کھلا دو تو کھانا کھالیں گے ورنہ بیچارے روتے پیٹتے ہی رہ جائیں گے۔ بھوکے پڑے رہ جائیں گے۔

شریعت کا بتلایا ہوا طریقہ تو یہ تھا جو ابھی بیان ہوا لیکن ناواقف لوگوں نے میت والوں پر الٹا بوجھ ڈال دیا۔ اب وہ غریب آدمی نہ صرف اپنے کھانے کا انتظام کرتا ہے بلکہ مہمانوں کا انتظام بھی کرتا ہے اور یہ غریب بھی وہ ہے جو میت ہوجانے کی وجہ سے غمزدہ بھی ہے۔

غلط طرزِ عمل کا نتیجہ:

اس میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مثلاً گھر کے سربراہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے ورثاء میں اس کی بیوی اور چھوٹے بڑے بچے شامل ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایسے وارث بھی ہوتے ہیں جو اُس وقت وہاں نہیں ہوتے، کسی سفر میں ہوتے ہیں یا بیرون ملک مقیم ہوتے ہیں وغیرہ۔ اب انتقال کے بعد میت کے گھر میں موجود سامان جیسے آٹا، گھی، دل، مرچ مصالحے وغیرہ سے ہی کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ جونہی میت کا انتقال ہوا فوراً اس کا مال اس کی ملکیت سے نکل گیا، اب اس کی ملکیت میں کچھ نہیں رہا، اس کا بچھونا، اس کے کپڑے، کھانے پینے کا سامان حتی کہ جو دوائیں اس کی زیر استعمال تھیں، اب وہ بھی اس کی ملکیت نہیں رہیں بلکہ وارثوں کی ملکیت میں آ گئیں۔

ان وارثوں میں بسا اوقات یتیم بھی ہوتے ہیں، بعض مرتبہ ایسا وارث بھی ہوتا ہے جو عقل نہیں رکھتا، بعض اوقات ایسا وارث بھی ہوتا ہے جو وہاں موجود نہیں

ہوتا۔ اب یہاں یہ ہوا کہ غیر موجود وارث کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس کا مال مہمانوں کو کھلا دیا، نابالغ بچے کی تو اجازت کا شرعاً اعتبار ہی نہیں، اسی طرح دماغ سے معذور شخص اگر کسی کو کچھ دے دے تو لینے والا اس کا مالک نہیں بنتا جبکہ اس صورت میں نابالغ اور دماغ سے محروم وارث کا مال مہمان کو کھلا دیا گیا، اور کھانے والوں نے بھی بلا جھجک یتیم کا مال کھالیا حالانکہ قرآن میں یہ وعید ہے کہ:

''جو لوگ یتیموں کا مال ناحق طور پر کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور جہنم میں داخل کئے جائیں گے''۔

(النساء:۱۰)

غرباء کے لئے پریشانی

مجھے ایک گاؤں کے لوگوں نے بتلایا کہ ہمیں ڈر لگا رہتا ہے کہ اگر کسی کا انتقال ہوگیا تو اس کی وجہ سے ہونے والے غم کے علاوہ ہزاروں روپے کے مہمانداری کے خرچے کی رقم کہاں سے لائیں گے۔ انہوں نے بتلایا کہ ہمارے ہاں شادی پر اتنا خرچہ نہیں ہوتا جتنا کہ میت ہونے پر ہوجاتا ہے۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ اس طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا کہ ہم یتیم کا مال کھارہے ہیں۔ یہ بڑی افسوس ناک بات ہے۔

ہمارے مرشد کی احتیاط

ہمیں یاد ہے کہ جب ہمارے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو ہمارے لئے باپ کی طرح تھے وہ) تشریف لے آئے، کمزور اور ضعیف تھے۔ میں نے دیکھا

کہ حضرت تھکے ہوئے ہیں تو میں گھر میں رکھے ہوئے ایک خمیرہ کو لے کر حضرت کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اس سے کچھ کھالیجئے۔ فرمایا کہ یہ ترکے کا تو نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ والد صاحب کا نہیں، یہ تو ہمارا ہے تو حضرت نے تناول فرمالیا۔ اگر یہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہوتا تو ہرگز نہ کھاتے۔

عورتوں سے متعلق چند احکام

دوسرا ضعیف، جس کا ذکر شروع میں آیا تھا، وہ ''عورت'' ہے۔ عورتوں کے بارے میں شریعت نے بہت سے احکام دیئے ہیں۔ ایک حکم تو یہ ہے کہ:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (النساء:۱۹)

''عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی گذارو۔''

مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور محبت وشفقت کا برتاؤ کرو، خیر خواہی اور ہمدردی کا برتاؤ کرو۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر ایک سے زائد نکاح کرو تو پھر ان کے درمیان برابری کرو، اگر یہ خطرہ ہو کہ ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں ان کے درمیان برابری نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی کو نکاح میں رکھو۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء:۳)

''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کرسکو گے تو ایک عورت (کافی ہے) یا باندی جسکے تم مالک ہو''۔

فرض کریں اگر کسی کے پاس دو بیویاں ہیں کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ

ایک رات ایک بیوی کے پاس گذارے اور دوسری رات دوسری بیوی کے پاس۔ یہ جائز نہیں کہ ایک بیوی کے پاس دو راتیں گذارے اور دوسری بیوی کے پاس ایک رات۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ برابری کرتے تھے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل

حکیم الامۃ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی دو بیویاں تھیں۔ آپ ان کے درمیان برابری کا پورا اہتمام فرماتے۔۔ چنانچہ خانقاہ میں ترازو رکھی ہوئی تھی۔ جب بھی کہیں سے کوئی تحفہ آتا تو تول کر آدھا آدھا کرتے اور پھر اسے ہر ایک کے گھر میں بھیجتے۔ محض اندازہ سے کام نہ چلاتے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے دوشادیاں کر کے زیادہ شادیوں کا راستہ کھول دیا۔ فرمایا: راستہ کھول دیا یا بند کر دیا؟ میں نے تو راستہ بند کر دیا۔ مجھے دیکھنے والا کبھی دو شادیاں نہیں کریگا۔ مجھے جو تکلیف اور محنت ومشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اسے دیکھ کر کسی کو دوشادیاں کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔

محبت کے اعتبار سے برابری کرنا ممکن نہیں

البتہ ایک بات یہ ہے کہ یہ حکم عمل میں برابری سے متعلق ہے۔ دل کی محبت میں برابری کے متعلق نہیں کیونکہ محبت کے اعتبار سے برابری کرنا ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ﴾ (النساء:۱۲۸)

''تم خواہ کتنا ہی چاہو، عورتوں میں ہرگز برابری نہ کرسکو گے''۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی کی طرف زیادہ جھک جاؤ، چنانچہ اسی

آیت کے اگلے حصے میں اس سے منع کیا گیا کہ:

﴿فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾

''ایسا نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف ڈھل جاؤ اور دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو کہ گویا وہ لٹک رہی ہے''۔

''معلّقہ'' کا مطلب ہے کہ وہ نہ شادی شدہ کی طرح ہو اور نہ غیر شادی شدہ کی طرح۔ شادی شدہ کی طرح تو اس لئے نہیں کہ تم اس کا حال پوچھتے نہیں اور غیر شادی شدہ (کنواری) کی طرح اس لئے نہیں کہ تمہارے نکاح کے بندھن میں بندھی ہوئی ہے کسی اور سے نکاح نہیں کرسکتی ہے۔ ایسا رویہ اختیار کرنا ناجائز ہے۔

عورت پسلی سے پیدا کی گئی

ایک روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے:

استوصوا بالنساء خيرا فإن المرأة خلقت من ضلع وإن اعوج مافى الضلع اعلاه فإن ذهبت تقيمهٗ كسرتهٗ وإن تركتهٗ ، لم يزل أعوج فاستوصوا بالنساء

(متفق عليه)

''مجھ سے عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کی نصیحت قبول کرو، اس لئے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اس کا اوپر والا حصہ ہوتا ہے پس اگر تم اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اُسے توڑ بیٹھو گے اور اگر اُسے چھوڑ دو گے تو وہ اسی طرح ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو''۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا۔ لہٰذا جس طرح پسلی کے اندر ٹیڑھ پن ہوتا ہے، اس کے اندر بھی مرد کے مزاج کے اعتبار ٹیڑھ پن ہوگا یعنی مرد سے اس کا مزاج مختلف ہوگا۔ مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے اسی حال میں برداشت کرے ورنہ اگر اسے سیدھا کرنے کی کوشش کریگا تو وہ ٹوٹ جائیگی اور ایک روایت میں ہے کہ:

"کَسرُهَا طَلَاقُهَا" (مسلم)

"اس کا ٹوٹنا اس کو طلاق دینا ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسے سیدھا کرنے کی کوشش سے طلاق کی نوبت آسکتی ہے۔

یہ عورت کا عیب نہیں

یہاں پر خوب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں عورت کے پسلی سے پیدا ہونے کا ذکر کرکے اس کا عیب بیان نہیں کیا جارہا، اس لئے ہر ٹیڑھی چیز بری نہیں ہوتی۔ اگر ساری چیزیں سیدھی ہوا کرتیں تو کوئی حسن و جمال باقی نہ رہتا۔

مثلاً اگر سارے درخت سیدھے اور چوکور ہوتے تو کوئی حسن و جمال باقی رہتا؟

اگر پہاڑ عمارتوں کی طرح بالکل مربع یا مستطیل ہوتے تو ان میں سے کوئی دیکھنے کے قابل نہ ہوتا؟

اگر پھول پتیاں بالکل سیدھی یا چوکور ہوتیں تو ان میں کوئی حسن پیدا ہوتا؟

جس طرح ان سب کے اندر حسن و جمال اور خوبی اسی ٹیڑھ پن میں ہے، اسی طرح پسلی کا حسن اس کے ٹیڑھ پن میں ہے۔ اگر پسلیاں بالکل سیدھی ہوتیں تو

کیا انسان کی ساخت ایسی مناسب ہوسکتی تھی؟ ہرگز نہیں، معلوم ہوا کہ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ پسلی ٹیڑھی ہو۔

پسلی سے پیدا ہونے کا مطلب

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ عورت سو فیصد تمہاری مرضی اور مزاج کے مطابق ہو بلکہ اس کے اور تمہارے مزاج کے درمیان فرق رہے گا۔ جس کی وجہ سے تمہیں اس کی بعض باتیں مزاج کے خلاف نظر آئیں گی۔ تمہیں ان باتوں کو برداشت کرنا ہوگا۔ اگر برداشت نہیں کرو گے تو پسلی ٹوٹ جائے گی یعنی طلاق دینے کی نوبت آپہنچے گی۔

بیوی کی جائز ضد پوری کردینی چاہئے

اور بات یہ ہے کہ اعلیٰ ظرف انسان عورتوں کی ناز برداریاں کرکے خوش ہوتا ہے۔ اس کو اسی میں مزہ آتا ہے۔ ہاں البتہ ناجائز امور میں تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی تاہم جائز امور میں ان کی بات مان لینے میں کوئی عیب کی بات نہیں۔

ایک مرتبہ کسی میاں بیوی میں جھگڑا تھا۔ انہوں نے مجھے بلایا۔ وہاں ساس سسر بھی موجود تھے۔ شوہر نے یہ شکوہ کیا کہ میری بیوی ضد بہت کرتی ہے۔ میں نے اُسے سمجھایا کہ چلو تم اس کی ضد پوری کردیا کرو۔ تم مرد ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں طاقت دے رکھی ہے ہاں اگر تمہارے بس سے باہر ہوجائے تو اس پر معذرت کردو۔ لیکن جو مطالبے بآسانی پورے کرسکتے ہو، اور وہ جائز بھی ہوں تو انہیں پورا کردو۔ تمہارے کتنے مطالبے یہ پورے کرتی ہے۔

عورت کی قربانیاں

عورت کی حالت دیکھئے، یہ اپنے شوہر کے لئے کتنی قربانیاں دیتی ہے۔ جن ماں باپ نے اسے پیدائش سے لے کر جوانی تک پالا، جن بہن بھائیوں کے ساتھ پیار ومحبت سے اس نے زندگی گذاری۔ ان سب سے جدائی اختیار کر کے ایک بالکل اجنبی مرد کے ساتھ ہمیشہ کی زندگی گذارنے کے لئے آجاتی ہے اور پھر اس نئے گھر میں اپنے شوہر کے ماں باپ سے وہ معاملہ کرتی ہے جو اپنے ماں باپ کے ساتھ کرتی تھی، اس کے بہن بھائیوں کے ساتھ وہ سلوک کرتی ہے جو اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ کرتی تھی۔ اور پھر شوہر کی بے شمار ضرورتوں کو پورا کرتی ہے، اس کی خدمت کرتی ہے۔ اب اگر کسی جائز معاملے میں ضد کرتی ہے تو تم اس کی ضد پوری کردو، پھر وہ تمہاری ضدیں بھی پورا کرے گی اور اس سے تمہارے درمیان محبت اور بڑھ جائے گی۔ اسی طریقے سے ہی آپس میں محبتیں بڑھا کرتی ہیں۔ محض قاعدے اور قانون کے اندر رہتے ہوئے میاں بیوی کی زندگی خوشگوار نہیں ہوسکتی۔

ہمارے معاشرے میں عورت کے ساتھ برتاؤ کی کیفیت

ہمارے معاشرے میں عام طور پر عورت کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے، ان کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ انہیں باندی اور غلمٹی بنا کر رکھا جاتا ہے یوں سمجھا جاتا ہے کہ بجائے اس کے کہ کسی عورت کو تنخواہ دے کر گھر میں رکھتے، مفت میں خادمہ آگئی۔ اور پھر اس سے خادمہ کی طرح گھر کے سارے کام لئے جاتے ہیں۔

کیا بیوی کے حصہ میں صرف سسرال والے ہی آئے ہیں؟

بہت سے گھروں میں یہ ہوتا ہے کہ شادی کرنے کے بعد شوہر چند دن گھر رہتا ہے۔ اس کی ملازمت کسی باہر ملک مثلاً برطانیہ، سعودی عرب، امریکہ وغیرہ میں ہوتی ہے۔ چند روز بعد وہ اپنی ملازمت پر چلا جاتا ہے اور بیوی بیچاری سسرال میں رہتی ہے۔ وہاں رہتے ہوئے ساس کے نخرے بھی برداشت کرتی ہے۔ سسر کے نخرے بھی جھیلتی ہے، نندوں اور دیوروں کے احکام کی بھی پابندی کرتی ہے لیکن وہ شوہر جس کے ساتھ اس کی شادی ہوئی تھی، وہ غائب ہے۔ جس کی خاطر اس نے اپنے سارے خاندان کو چھوڑا، اپنا سب کچھ قربان کیا تھا، وہ تو غائب ہے لیکن اس کے متعلقین کی خدمت اس کے ذمہ لگ گئی۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ساس، سسر وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور ان کی خدمت کرنا اچھی بات ہے لیکن کیا اس کے حصہ میں سسرال والے ہی آئے ہیں، شوہر نہیں آیا۔

یہ تو جانوروں کا سا سلوک ہے!

یہاں اسی علاقے میں ایک غریب عورت رہتی ہے۔ کبھی کبھی ہمارے ہاں بھی آتی رہتی ہے۔ اس کا شوہر باہر ملک ملازمت کرتا ہے۔ اس کا شوہر سال، دو سال بعد یہاں آتا ہے۔ اس نے یہاں شادی کی اور شادی کے چند روز بعد وہ باہر چلا گیا۔ وہ حاملہ ہوگئی۔ نو ماہ بعد بچہ پیدا ہوگیا اور ابھی تک شوہر نامراد باہر تھے۔ وہ بچے کو اکیلی پالتی رہی۔ سال کے بعد صاحب بہادر آئے۔ ایک ہفتہ ٹھہرے اور دوسرے بچے کا انتظام کر کے چلے گئے۔ نو ماہ بعد دوسرا بچہ پیدا ہوا۔ وہ اس کو پالتی رہی۔ پھر سال دو سال بعد شوہر آئے اور تیسرے بچے کا انتظام کر گئے۔ ان کا یہی طرز

عمل رہا، اب کئی بچے پیدا ہو چکے ہیں۔ خود شوہر کا یہ حال یہ ہے کہ اس نے وہاں دوسری شادی کرلی ہے۔ وہ خود عیش وعشرت کی زندگی گذار رہا ہے اور بیوی کو ساس سسر کے پاس چھوڑا ہوا ہے۔ وہ ان کی خدمت بھی کرتی ہے اور اپنے بچوں کو بھی پالتی ہے۔ یہ کیسی بے رحمی ہے! یہ تو جانوروں کا سا سلوک ہے!

ایک اور سنگین غلطی

ہمارے معاشرے میں ایک سنگین غلطی اور بھی ہو رہی ہے۔ وہ بھی بڑی خطرناک ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض جگہوں پر ایسا ہوتا ہے کہ مرد گھروں میں رہتے ہیں اور عورتیں محنت مزدوری کر کے کما کر لاتی ہیں۔ شہروں میں گھروں کے اندر جو ماسیاں کام کرتی ہیں۔ یہ بیچاری محنت کر کے دو وقت کا کھانا کھاتی ہیں، کچھ کھانا بچوں کیلئے لے جاتی ہیں اور ان کے شوہر اور جوان بیٹے گھر پر آرام کرتے ہیں اور آوارہ پھرتے رہتے ہیں۔ یہ بڑی بے غیرتی کی بات ہے اور عورت پر بہت بڑا ظلم ہے۔

یہ اسلام کا قصور نہیں

اپنی باتوں کی وجہ سے دشمنان اسلام کو اسلام کو بدنام کرنے کا موقع ملا ہے اور انہیں یہ کہنے کا موقع ملا ہے کہ اسلام میں عورتوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا جاتا۔ عورتوں کو چاردیواری میں قید کردیا جاتا ہے۔ عورتوں کو انسانی حقوق سے محروم کردیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ اسلام کا قصور نہیں، اسلام نے تو عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا تھا لیکن ظلم کیا ہے مسلمان مرد نے کہ اس نے اپنے دین کا پاس نہ کیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو فراموش کردیا، بے زبان، مسکین عورت جو اپنا حق زبردستی وصول نہیں کرسکتی۔ اس کو مصیبت میں ڈال کر خود عیاشی کا مرتکب ہوا۔ اور اس

کے اس عمل کی وجہ سے اسلام بدنام ہوا اور مغرب کو اسلام کے خلاف زبان کھولنے کا موقعہ ملا۔

مغرب نے عورتوں پر بے حد ظلم کیا ہے

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جتنا ظلم اہل مغرب نے عورت کے ساتھ کیا ہے، وہ اتنا زیادہ ہے کہ اہل مشرق نے بھی اتنا نہیں کیا۔ عورت کو جیسا بیوقوف بنا کر جس طرح اس سے محنت لی جاتی ہے، اور صبح سے لے کر شام تک اُسے جس طرح گھن چکر میں رکھا جاتا ہے، اس کے مقابلے میں تو مشرق کی عورت بدر جہا بہتر حالت میں ہے۔ (لیکن یہ وہ گھرانے ہیں جہاں دین پر کچھ نہ کچھ عمل ہوتا ہے۔)

امریکہ میں عورتوں کے مسلمان ہونے کی وجہ

امریکہ کے سفر میں مجھے وہاں کے لوگوں نے بتلایا کہ وہاں عورتیں زیادہ مشرف باسلام ہورہی ہیں۔ میں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ زیادہ تر وہ عورتیں مسلمان عورتوں کو دیکھ کر مسلمان ہورہی ہیں۔ غیر مسلم عورت اپنی پڑوس مسلمان عورت کو دیکھتی ہے کہ وہ کتنی عزت کے ساتھ اپنے گھر میں زندگی گذار رہی ہے، اسے ملازمت کے لئے جانا نہیں پڑتا، گھر میں بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہے، آرام کرتی ہے، شوہر آتا ہے تو شام کو کہیں تفریح وغیرہ کے لئے بھی چلے جاتے ہیں جبکہ غیر مسلم عورت کا یہ حال ہوتا ہے کہ بیچاری صبح سویرے اٹھی۔ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بچوں کو نہلا دھلا کر سکول کے لئے تیار کیا، شوہر کا ناشتہ تیار کیا، اپنی تیاری کی۔ عام طور پر وہاں سات بجے ڈیوٹی شروع ہوجاتی ہے دفتر پہنچنے سے کم از کم گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ پہلے نکلنا پڑتا ہے۔ لہٰذا کم از کم چھ بجے گھر سے نکلنا پڑتا ہے۔ چنانچہ خود ناشتہ

نہیں کرپاتی، برگر وغیرہ اپنے پاس رکھ لیتی ہے اور راستے میں کھاتے ہوئے جاتی ہے۔

صبح سات بجے سے لے کر شام پانچ بجے تک ڈیوٹی دیتی ہے اور ڈیوٹی کے دوران کھانا کھانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ شام پانچ بجے عورت بھی واپس آئی، بچے اور شوہر بھی آئے۔ شوہر کو تو کوئی کام نہیں۔ یہ آتے ہی کھانا پکانے میں لگ جاتی ہے۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ شوہر اور بیوی کی ڈیوٹی کا وقت مختلف ہوتا ہے۔ شوہر ڈیوٹی سے واپس آرہا ہوتا ہے تو عورت جارہی ہوتی ہے اور جب بیوی واپس آتی ہے تو شوہر ڈیوٹی کے لئے نکل رہا ہوتا ہے۔

لندن کا ایک واقعہ

لندن میں ہمارے ایک دوست رہتے ہیں۔ مجھ سے بہت مرتبہ کہا ہے کہ جب کبھی لندن آنا ہو تو مجھے بھی اطلاع ہوجائے تاکہ میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ میرا قیام عام طور پر لندن میں کم ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ میں ایک دن کے لئے لندن میں تھا۔ سوچا کہ فون کرلوں، فون کیا تو کہنے لگے کہ کیا کروں میرا دل بے تاب ہے آپ کے پاس آنے کے لئے لیکن میرا ایک عجیب مسئلہ ہے۔ وہ یہ کہ میں ڈیوٹی پر جانے کے لئے نکل رہا ہوں اور میری بیوی ڈیوٹی سے واپس آرہی ہے۔ اور مجھے آج ڈیوٹی پر ضروری پہنچنا ہے۔

مغرب نے عورت کو بیوقوف بنایا

اس طرح مغرب نے عورت کو بیوقوف بنایا اور نعرہ یہ لگایا کہ عورتوں اور

مردوں کے حقوق برابر ہیں۔ حالانکہ اس عمل کا حاصل یہ ہے کہ گھر کے جو کام کاج مشرقی عورت کے ذمہ ہیں، وہ تو مغربی عورت پر برقرار رہے، مزید یہ اضافہ ہوا کہ مرد نے کہا کہ تیرا خرچہ میں برداشت نہیں کروں گا، تو اپنا خرچہ خود کما کر لا۔

مغرب میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق حاصل نہیں

اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ وہاں عورتوں کے پاس وہ عہدے نہیں ہیں، جو مردوں کے پاس ہیں، امریکہ میں آج تک کبھی عورت صدر نہیں بنی، وہاں کی آبادی میں عورت کا جو تناسب ہے، اس تناسب سے عورت کو ایوان (اسمبلی) میں نمائندگی حاصل نہیں بلکہ تمام مغربی ممالک کا یہی حال ہے۔ اور نزلہ ہم پر گراتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات کرو۔

اسلام نے عورت کو جو مرتبہ دیا، وہ کسی اور مذہب میں نہیں

حالانکہ عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات ممکن نہیں، عورتوں کی ساخت الگ ہے، مرد کی ساخت الگ ہے، عورت کی ذمہ داریاں الگ ہیں، مرد کے فرائض الگ ہیں، عورت کا مزاج الگ ہے، مرد کا مزاج الگ ہے، عورت کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ گھر کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو اچھے طریقے سے نبھا سکے اور مرد کی ساخت ایسی ہے کہ وہ بیرونی معاملات کو سلجھائیں، اس لئے دونوں میں برابری نہیں ہوسکتی۔ دونوں کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔

البتہ اسلام نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور عورت کو وہ مرتبہ دیا کہ کسی دوسرے دین و مذہب نے وہ مقام نہیں دیا۔

اسلام نے تو عورت کو بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا تھا، لیکن ہمارے ناواقف لوگوں نے یہ حرکت کی ہے کہ وہ عورتوں پر ظلم اور سختیاں کرتے ہیں، جس کی وجہ سے دین بدنام ہوتا ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔ آپ خود بھی اس سے بچیں اور یہ پیغام دوسروں تک بھی پہنچائیں۔

اللہ رب العزت ہمیں یتیم اور عورت دونوں کی حق تلفی کرنے سے محفوظ فرمائے اور ان کمزوروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

دارالعلوم دیوبند

سے دارالعلوم کراچی تک

موضوع دارالعلوم دیوبند سے دارالعلوم کراچی تک
مقرر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ ۳۰۔ اگست ۲۰۰۲ء
ضبط و ترتیب مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام محمد ناظم اشرف

﴿دارالعلوم دیو بند سے دارالعلوم کراچی تک﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمدللّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن به ونتوکل علیہ۔ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہِ اللّٰہ فلا مضلّ لہٗ ومن یضللہٗ فلا ھادی لہٗ۔ ونشھد ان لا الٰہ اِلاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریك لہ ونشھد أنّ سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلیٰ آلہٖ وصحبه وسلم تسلیماً کثیراً۔

امابعد:

قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم " انّ العلماء ورثة الانبیاء وانّ الأنبیاء لم یورّثوا دیناراً ولا درھمًا انّما ورّثوا العلم فمن أخذ بهٖ اخذ بحظٍ وافرٍ۔

(رواہ الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادۃ رقم الحدیث ۲۶۸۷)

تمہید:

گذشتہ چند جمعوں سے اس بات کا بیان چل رہا ہے کہ یہ تعلیمی سلسلہ کن کن مراحل سے گذر کر ہم تک پہنچا ہے اور علماء امت نے اپنے اپنے زمانے میں کس کس قسم کی قربانیاں دی ہیں۔ یہ قربانیوں کی تاریخ ہے جس کا مختصر جائزہ میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کیا۔آج کی مجلس میں دارالعلوم دیو بند اور اس کے بعد دار العلوم کراچی کی کچھ تاریخ بیان کرنا مقصود ہے۔

جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کی حالت:

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے نتیجہ میں جب انگریزوں نے ہندوستان میں اپنا تسلط قائم کرلیا اور مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون پہنچا دیا گیا تھا۔ اور عام مسلمانوں کو تختہ دار پر لٹکایا جارہا تھا۔ جگہ جگہ پھانسی کے پھندے لٹکائے گئے تھے۔ جس کے بارے میں ذرا سا بھی شبہ ہوجاتا کہ یہ تحریک آزادی میں شریک تھا۔ اُسے پھانسی چڑھا دیا جاتا، اور اگر کسی کے بارے میں جھوٹا الزام بھی لگایا جاتا کہ یہ جنگ آزادی میں شریک ہوا تھا تو بلاتحقیق اُسے بھی تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا۔ ہمارے بہت سے اکابر بھی اس جہاد میں شریک تھے خصوصاً مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور حافظ ضامن شہید رحمہ اللہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اس شکست کے بعد اب مسلمانوں میں اسلحہ کے ذریعے مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہ رہی تھی اور یہ اندازہ ہورہا تھا کہ اگر مزید طاقت کا مظاہرہ کیا گیا تو مسلمانوں اور ان کے دینی اداروں کو بالکل نیست ونابود کردیا جائے گا۔

انگریزوں کے دو اہم کام:

انگریزوں نے جنگِ آزادی کے بعد دو بڑے کام کئے۔ ایک یہ کہ سرکاری زبان فارسی کو ختم کرکے انگریزی کو سرکاری زبان بنایا دوسرے یہ کہ لارڈ میکالے کے ذریعے ایک ایسا نظامِ تعلیم مرتب کرایا گیا۔ جس میں دین اسلام کا کوئی گذر نہیں تھا۔ صرف انگریزی زبان کے ذریعے سے آنے والے علوم وفنون کو داخلِ نصاب کیا گیا تھا۔

جنگِ آزادی سے قبل مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کی کیفیت:

برصغیر میں انگریزوں کے قدم جمانے سے پہلے عصری اور دینی علوم میں کوئی تفریق نہیں تھی۔ مسلمانوں کے سرکاری تعلیمی اداروں میں دونوں قسم کے علوم کی تعلیم دی جاتی تھی اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں کا بھی یہی حال تھا۔ ان اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والے حکومت کے اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر بیٹھتے تھے۔ وزیر بھی بنتے، گورنر بھی بنتے اور دیگر اعلیٰ عہدیدار بھی بنتے۔ انگریزوں کے آنے پر ان اداروں سے دین کو نکالا گیا۔

لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم کی خصوصیات:

لارڈ میکالے نے جب اپنا نظامِ تعلیم پیش کیا تو اس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے اس نے کہا:

> ''اس نظامِ تعلیم سے جو نسل تیار ہوگی وہ چمڑے اور چہرے کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوگی لیکن دل ودماغ کے اعتبار سے انگریز ہوگی۔''

اس نظام تعلیم میں ایک بات یہ بھی رکھی گئی کہ مسلمانوں کو تعلیم صرف اتنی ہی دینی ہے کہ یہ ہماری نوکری چاکری کر سکیں۔ ہمارے کلرک بن جائیں، ہیڈ کلرک بنیں، سیکشن آفیسر اور ڈپٹی سیکرٹری بن سکیں۔ اکا دکا آدمی ڈپٹی کمشنر بھی بنے۔ اس سے اوپر کے عہدے مسلمانوں کے لئے بند تھے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو صرف انگریزوں کی نوکری کرنا ہی آئے۔ حکومت کرنے کا سلیقہ نہ آئے۔ اپنے افسر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے رہیں، جو حکم ملے، یس سر (Yes Sir) کہہ کر اس کی بجاآوری کریں۔

عیسائیت اور ہندومت کی تبلیغ:

اس کے علاوہ انگریزوں نے ایک اور کام بڑے پیمانے پر کیا، وہ یہ کہ عیسائی مشنریوں کو عیسائیت کی تبلیغ پر لگایا چونکہ اس وقت مسلمان ناداری کا شکار ہو رہے تھے۔ حکومت ان کے ہاتھوں سے چھن چکی تھی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں غربت اور افلاس پھیل رہا تھا۔ سرکاری زبان انگریزی بننے کے بعد اچھے پڑھے لکھے مسلمان جو اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، جاہل قرار پائے تھے اور ملازمت نہ ہونے کی وجہ سے انہیں بھی مالی پریشانی کا سامنا تھا۔ اس حالت میں عیسائی مشنریوں نے اپنا کام شروع کیا اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کی بڑے پیمانے پر کوششیں کی گئیں۔ ادھر ہندوؤں نے انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے ''سدھی تحریک'' چلا ڈالی جس کے ذریعے غریب اور پسماندہ علاقوں کے مسلمانوں کو ہندو بنایا جانے لگا۔

اندلس کے حالات پیدا ہونے کا اندیشہ:

اس صورتحال میں مسلمان سخت ترین خطرے میں پڑ گئے تھے اور قوی اندیشہ

ہوگیا تھا کہ کہیں یہاں بھی وہی داستان نہ دہرا دی جائے جو آج سے پانچ سو سال پہلے اسپین (اندلس) میں دہرائی گئی تھی کہ وہاں مسلمانوں کا آٹھ سو سالہ اقتدار چھن گیا اور پھر وہاں کسی ایک کلمے والے کو زندہ نہیں چھوڑا گیا، یا تو مسلمانوں کو قتل کیا گیا، یا کچھ لوگ مراکش وغیرہ کی طرف بھاگ کر پناہ گزین ہوگئے۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں امریکہ نیا نیا دریافت ہوا تھا اور وہ نئی دنیا کہلاتا تھا۔ وہاں پر ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو اس زمین کو آباد کریں تو اس مقصد کیلئے اسپین (اندلس) کے بہت سے مسلمانوں کو جہازوں میں بھر بھر امریکہ پہنچایا گیا اور جو باقی بچ گئے انہیں عیسائی بنادیا گیا۔ وہاں کوئی مسلمان باقی نہیں بچا اور کوئی مسجد وہاں باقی نہیں چھوڑی گئی۔

اندلس کے موجودہ مذہبی حالات:

چار پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ ہم لوگ اسپین گئے۔ ہم فرانس سے اسپین کے ایک کنارے میں داخل ہوئے اور دوسرے کنارے تک سفر کیا۔ بائی روڈ (زمینی) سفر کیا۔ کئی روز تک سفر کرتے رہے دن رات سفر کرتے تھے۔ رات کو جب تھک جاتے تو کہیں دو تین گھنٹے کیلئے آرام کرلیتے۔ راستہ میں جو شہر یا جو چھوٹی یا بڑی بستی آتی تو سب سے پہلے جو چیز نظر آتی وہ مسجد کا مینارہ ہوتا تھا۔ اسے دیکھ کر خوشی ہوتی کہ یہ مسجد ہوگی۔ یہاں جا کر نماز پڑھیں گے۔ وہاں پہنچتے تو معلوم ہوتا کہ اسے چرچ بنادیا گیا ہے۔

نماز پڑھنے کی دقت:

دنیا کے کسی ملک میں ہمیں نماز پڑھنے کیلئے اتنی دشواری پیش نہیں آئی۔ ایک مرتبہ غرناطہ میں ہمارے لئے عشاء کی نماز پڑھنا مصیبت بن گیا۔ وضو کرنے اور

نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ بہت پریشانی کا سامنا تھا۔ ایک ریسٹورنٹ میں اس خیال سے داخل ہوئے کہ کچھ چائے پی لیں گے اور اسی بہانے وضو کرنیکی جگہ مل جائیگی۔ لیکن چائے پی کر جب وضو کرنے کیلئے گئے تو وہاں ایک آدمی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ یہاں وضو کرنے کی اجازت نہیں۔

قرطبہ کی جامع مسجد میں لمبا سفر کر کے یہ شوق لے کر پہنچے کہ یہاں پر صدیوں تک بڑے درجے کے علماء، اولیاء اللہ اور محدثین نے نمازیں پڑھی ہیں۔ جامع قرطبہ اسلام کا مشہور مرکز تھا۔ مسجد کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ اندر جانے کے لئے ٹکٹ خریدنا ضروری ہے۔ ٹکٹ لے کر اندر پہنچے تو دیکھا کہ اس کے بہت سے حصوں میں چرچ بنا ہوا ہے اور دوسرے بعض حصوں میں بھی مختلف چیزیں بنی ہوئی ہیں البتہ محراب اور اس کے اردگرد تقریباً دس بارہ فٹ کی جگہ پر قالین ڈالا ہوا ہے۔ اس کے گرد زنجیر لگی ہوئی ہے۔ یہ اس بات کی علامت کے طور پر کہ یہ کبھی مسجد تھی۔ ہم نے اس جگہ پر نماز پڑھنے کی کوشش کی تو وہاں بھی نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

واپسی پر جب ہم بارشلونا کی طرف آرہے تھے تو ایک جگہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، نماز کا وقت تنگ ہونے لگا تو ہم ایک بستی میں گھس گئے۔ وہاں بھی مینارہ نظر آرہا تھا۔ یہ امید لگائی کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مسجد ہو تا کہ نماز پڑھ لیں لیکن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ چرچ ہے اور وہ بھی بند پڑا تھا۔ قریب ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے۔ وہاں کچھ نوجوان تھے۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ میں سے کوئی ہمیں بتائیگا کہ ہم کہاں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ تو ان میں دو لڑکے کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم الجزائر کے رہنے والے ہیں اور یہاں مزدوری کے لئے آئے ہیں۔ یہ ریسٹورنٹ جہاں وہ بیٹھے تھے۔ ایک شراب خانہ تھا۔ ہم ریسٹورنٹ سمجھ کر اس میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے

ایک نے کہا کہ فلاں جگہ میرے دوست کا گھر ہے۔ آپ اس کے گھر میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ میں آپ کو لے چلتا ہوں۔ ہم نے کہا اسی ریسٹورنٹ والے سے اجازت دلوا دو ہم چائے بھی پی لیں گے۔ اس نے کہا کہ یہ نماز نہیں پڑھنے دیں گے۔

ہم نے سوچا کہ نجانے یہ ہمیں کہاں لے جائیگا۔ ہمیں کوئی دھوکہ نہ دے دے۔ قریب میں ایک اور ریسٹورنٹ نظر آیا۔ ہم اس میں داخل ہوئے۔ اسے چائے کا آرڈر دیا۔ ہم آٹھ دس آدمی تھے۔ ہم نے سوچا کہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ جن ساتھیوں کا وضو تھا انہوں نے اسی ریسٹورنٹ کے فٹ پاتھ پر نماز پڑھ لی اور جن کا وضو نہیں تھا انہوں نے ایک ایک دو دو کر کے غسل خانے میں جا کر وضو کیا اور نماز پڑھی۔ جب ہم نماز پڑھ رہے تھے تو بستی کے لوگ جمع ہو کر آ گئے اور ہمیں حیرت سے دیکھنے لگے۔

غرناطہ میں مسلمان دور کی ایک مشہور یادگار ''الحمراء'' کے نام سے ایک محل ہے۔ اسے دیکھنے کیلئے وہاں پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ تو وہاں جب ہم نماز با جماعت پڑھنے لگے تو مختلف ملکوں سے آئے ہوئے انگریز سیاح ہمارے گرد جمع ہو گئے۔ ہمارے فوٹو اتارنے اور مووی بنانے لگے۔

دارالعلوم دیو بند کیوں قائم کیا گیا؟:

یہ اسپین کے موجودہ حالات کا مختصر جائزہ ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اپنی فراست کی بنیاد پر اس خطرے کو بھانپ لیا۔ اس لئے انہوں نے یہ کام کیا کہ سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو کر اپنی مساجد اور خانقاہوں کی حفاظت کی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیو بند کی بنیاد رکھی۔ یہ بنیاد کسمپرسی اور ناداری کے عالم میں رکھی گئی۔ انار کے ایک درخت کے نیچے ایک استاد اور ایک شاگرد کے ساتھ

دارالعلوم دیو بند کا آغاز ہوا۔ استاد کا نام بھی محمود اور شاگرد کا نام بھی محمود۔ شاگرد محمود بعد میں شیخ الہند بنا۔ وہ انار کا درخت آج بھی موجود ہے۔ میری پیدائش بھی وہیں کی ہے۔ میرا بچپن بھی وہیں گذرا۔ وہاں ایک چھتے کی مسجد مشہور تھی۔ وہ مسجد بھی ابھی تک موجود ہے۔

دارالعلوم دیو بند کی بنیاد رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ اگرچہ اب ہماری حکومت نہیں رہی، کبھی تو ہندوستان آزاد ہوگا۔ اس عرصے میں ہمارے اسلامی علوم محفوظ رہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس دارالعلوم کی برکت سے ہندوستان میں مسلمان اقلیت اپنے دین کو بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ اگر دارالعلوم دیو بند کی خدمات نہ ہوتیں اور وہاں دین محفوظ نہ ہوتا تو پاکستان بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پاکستان تو اس بنیاد پر بنایا گیا کہ ان علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن دارالعلوم کی کوششیں نہ ہوتیں تو مسلمانوں کی اکثریت باقی نہ رہتی۔ اس عرصے میں مسلمانوں کو تباہ کردیا جاتا۔ پاکستان کا وجود دارالعلوم دیو بند کا فیض ہے۔

علی گڑھ یونیورسٹی بنانے کا مقصد؟:

دارالعلوم دیو بند کے بالمقابل علی گڑھ میں سر سید احمد خان نے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ مسلمانوں کی دنیا کی حفاظت ہوجائے۔ معاشی میدان میں انہیں سرکاری ملازمتیں مل سکیں اور اگر کبھی سیاست میں موقع ملے تو اس میں حصہ لے سکیں۔

اس ادارے میں وہی علوم پڑھائے جاتے تھے جو انگریزوں کے ذریعے آئے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ یہ ادارہ مسلمانوں کے تحت تھا اور دوسرے ادارے انگریزوں کے ماتحت تھے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

اور سر سید احمد خان ایک استاذ کے شاگرد ہیں لیکن مولانا قاسم نانوتوی نے دارالعلوم دیو بند قائم کیا اور سر سید احمد نے علی گڑھ قائم کیا۔

سر سید کی ذہنی مرعوبیت

سر سید احمد خان پر انگریزوں کی مرعوبیت سوار ہوگئی اور ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ مسلمانوں کی ترقی اگر ہوسکتی ہے تو صرف انگریزوں کی نوکری چاکری کے ذریعے ہوسکتی ہے اور یہ بات بھی ذہن میں آ گئی تھی کہ انگریز جو بات سوچتا ہے، وہ صحیح ہوتی ہے، اس کے خلاف جو بات ہوتی ہے، وہ غلط ہوتی ہے۔ اس ذہن کی وجہ سے انہوں نے قرآن مجید کی جو تفسیر لکھی، اس میں تحریفات کیں، معجزات اور حجیت حدیث کا تقریباً انکار کردیا، جہاد اقدامی کا انکار کرکے اسے صرف دفاعی حد تک تسلیم کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ادارے سے تیار ہونے والی نسل ذہنی طور پر انگریزوں سے مرعوب تھی۔ آزاد ذہنیت نہیں تھی اور نہ ہی اس کے اندر آزاد قوم کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت تھی۔

دارالعلوم دیو بند میں تیار ہونے والا ذہن

اس کے برعکس دارالعلوم دیو بند والوں نے سوچا کہ اگر دنیا ہمیں نہیں ملتی تو کوئی بات نہیں۔ ہم فقر و فاقہ کرکے اور روکھا سوکھا کھا کر گذارا کرلیں گے۔ تنگ و تاریک حجروں میں زندگی گذار لیں گے لیکن انگریز کی غلامی کرنے اور اپنے دین میں ترمیم کرنے کے لئے ہم تیار نہیں اور اپنی قوم کو مرعوب بنانے کے لئے ہم تیار نہیں۔ اور دارالعلوم اپنے اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوا۔ آج تک انگریزوں اور یورپی لوگوں کی مرعوبیت ہمارے دینی مدارس میں نہیں آسکی۔ ابھی ماضی قریب میں

جب افغانستان پر امریکی حملے ہوئے تو یہ علماء ہی تھے۔ جنہوں نے سینہ تان کر کہا کہ امریکی طاعون کے خلاف جہاد ضروری ہے اور ان کے مقابلے میں ہر شخص پر اس کی قدرت کے بقدر طالبان کی حمایت فرض ہے۔ یہ اس ذہن کی پیداوار تھی جو دیو بند میں تیار کیا گیا تھا۔ علی گڑھ میں یہ ذہن تیار نہیں ہوا۔

سرسید کا معجزات سے انکار

علی گڑھ میں یہ ذہن تیار ہوا کہ انگریزوں کی ہر بات صحیح ہے مثلاً اس زمانے میں انگریزوں نے کہا کہ یہ جو معجزات کی باتیں کی جاتی ہے۔ یہ دیو مالائی قسم کی باتیں ہیں، جو سمجھ میں آنے والی نہیں، مسلمان کیسی پرانی اور دقیانوسی باتیں کرتے ہیں۔ تو سرسید احمد خان نے اپنی تفسیر میں معجزات کی ایسی تعبیر کی کہ وہ معجزہ ہی نہ رہے۔ مثلاً قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ بیان کیا گیا کہ جب وادی تیہ میں پانی کی قلت کا مسئلہ پیش آیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پانی کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ:

﴿فَاضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾

”آپ اپنا عصا پتھر پر ماریئے“۔

جب آپ نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا پتھر پر مارا تو وہاں سے پانی کے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بارہ قبائل تھے گویا ہر قبیلے کے لئے ایک الگ چشمہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا۔

قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ عظیم الشان معجزہ کئی مقامات پر ذکر کیا لیکن سرسید احمد خان نے اس میں یہ تاویل کی کہ ”فَاضْرِبْ بِعَصَاكَ الحجر“ کا مطلب ہے کہ ”اپنی لاٹھی ٹیک کر پہاڑ پر چڑھ جا“ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر

چڑھ گئے۔ وہاں بارہ چشمے پہلے سے موجود تھے جو پستی پر ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آرہے تھے اوپر چڑھنے کے بعد وہ نظر آنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی مدد کی۔ خلاصہ یہ کہ یہ معجزہ نہیں بلکہ یہ ایک واقعہ تھا جس کا علم موسیٰ کو نہیں تھا۔ انہیں بتانے کیلئے پہاڑ پر چڑھایا گیا۔

اقدامی جہاد کا انکار:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کو اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں یہاں کے مسلمان دوبارہ علم جہاد بلند نہ کریں تو اس وقت وہ ذہن جو سرسید احمد کے مکتب میں تیار ہو رہا تھا۔ اس نے یہ بات چلائی کہ اسلام میں جسے جہاد کہا جاتا ہے۔ یہ وہ نہیں جس سے آپ کو خدشہ ہے بلکہ اسلام میں صرف دفاعی جہاد ہے یعنی اگر کوئی قوم تم پر حملہ آور ہو جائے تو تم اس کا مقابلہ طاقت سے کر سکتے ہو لیکن اس بات کی اجازت نہیں کہ کسی سے لڑائی میں ابتداء کی جائے۔

حالانکہ یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ شریعت میں دفاعی اور اقدامی دونوں قسم کے جہاد ہیں۔ البتہ حملہ کرنے کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ ان شرائط وقیود کے ساتھ اقدامی جہاد بھی مشروع ہے مثلاً کسی ملک کے بارے میں اندیشہ ہو کہ وہ ہمارے لئے خطرہ بن جائے گا کہ اس نے ابھی تک حملہ تو نہیں کیا لیکن وہ حملے کی تیاریوں میں مصروف ہے تو ایسی صورت میں اس ملک پر ابتداء حملہ کیا جا سکتا ہے۔ غزوۂ تبوک میں یہی ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ جزیرہ نما عرب کے قریب شام کے علاقے کا حکمران قیصر روم کے ساتھ مل کر حملے کی تیاری کر رہا ہے تو آپ نے جہاد کا اعلان عام کیا اور تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک کے میدان میں تشریف لے گئے۔

ہمارے اکابر نے سکول کی تعلیم کی مخالفت کیوں کی؟:

سرسید کے قائم کردہ سکول کی ایک خوبی ضرور تھی کہ وہ مسلمانوں کے زیرانتظام تھا لیکن یہاں کا نظام تعلیم وہی تھا جو لارڈ میکالے نے دیا تھا اور یہاں وہ سوچ تیار ہوئی جو ایک غلام قوم کی سوچ ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اس زمانے کے بزرگوں نے سرکاری سکولوں میں بچوں کو بھیجنے کی مخالفت کی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ سکولوں میں جاکر عصری تعلیم تو حاصل ہو جائے گی اور ملازمتیں بھی مل سکتی ہیں لیکن اس سے دین چلے جانے کا اندیشہ ہے حالانکہ ایمان زیادہ قیمتی ہے۔

علماءِ دین کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ:

اس کی وجہ سے لوگوں نے جھوٹا پروپیگنڈہ یہ کیا کہ علماءِ دین عصری تعلیم کے خلاف ہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ علماءِ دین نے دنیاوی علوم کی کبھی مخالفت نہیں کی۔ وقت کے عصری علوم ہمارے مدارس میں پڑھائے جاتے تھے چنانچہ اس زمانے کی سائنس، فلسفہ، علم ہیئت، علم فلکیات، علم طب، ہندسہ (انجینئرنگ) جغرافیہ وغیرہ تمام علوم پڑھائے جاتے تھے اور جب علماء تیار ہوتے تو یہ دیناوی علوم سے بھی اچھی واقفیت رکھنے والے ہوتے تھے۔ انگریز نے آکر سب سے پہلے سرکاری مدرسوں کو دینی علوم سے محروم کیا۔ مجبوراً علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر چہ اب ہم تمام عصری علوم نہیں پڑھا سکتے لیکن مسلمانوں کے زمانے کے عصری علوم اور دینی علوم پڑھائیں گے چنانچہ دارالعلوم دیوبند مین علمِ طب، علمِ فلکیات، جغرافیہ، الجبراء، اقلیدس اور جیومیٹری وغیرہ جیسے علوم پڑھائے جاتے تھے۔ یہ مسلمانوں کے وہ عصری علوم تھے جب انگریزوں نے قبضہ کیا۔

علماء کو عصری علوم سے محروم کرنے کی انگریزی سازش:

انگریزوں نے آنے کے بعد نئے علوم حاصل کرنے کے لئے یہ پہرہ بٹھا دیا تھا کہ اس کے لئے سب سے پہلے انگریزی سیکھنا ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ دین سے عملی لاتعلقی تو کرنی ہی پڑیگی کیونکہ ان اداروں میں دین کا کوئی گذر نہیں۔ اس لئے علماء جدید عصری علوم کو حاصل نہ کر سکے۔

قیام پاکستان کے بعد نئے نظام تعلیم کی ضرورت:

پاکستان بننے کے بعد ضرورت اس بات کی تھی کہ ایک نیا نظام تعلیم قائم کیا جائے۔ جس میں موجودہ زمانے کے ترقی یافتہ تمام عصری علوم اور دینی علوم کی تعلیم دینی ماحول میں دینی تربیت کے ساتھ اعلیٰ معیار پر دی جائے۔ لیکن بدقسمتی سے انگریز نے یہ اقتدار ان لوگوں کو منتقل کیا جو ان کے نظام تعلیم کے تربیت یافتہ تھے۔ وہ بیوروکریسی جنہوں نے عمر بھر نوکری چاکری کی تربیت حاصل کی تھی اور جن کے ذہنوں میں بیٹھا ہوا تھا کہ کامیابی اس میں ہے کہ انگریز کی ہر بات پر (Yes Sir) کہہ کر عمل کیا جائے، وہ یہاں منتقل ہوگئی اور اس نے نظام حکومت سنبھالا۔ پاکستان بنانے والے لیڈر تو تھوڑے ہی عرصے میں رخصت ہوگئے۔ قائداعظم بھی رخصت ہوگئے۔ قائدِ ملت لیاقت علی خان بھی شہید کردیئے گئے۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ بھی چلے گئے۔ البتہ سردار عبدالرب نشتر پر بیوروکریسی غالب آگئی۔

نئے نظام تعلیم کے لئے علماءِ کرام کی تجاویز اور کوششیں:

پاکستان بننے کے بعد حضرت والد صاحب انڈیا سے یہاں تشریف لائے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحب اور دیگر علماء نے سرتوڑ کوشش کی کہ یہاں کا نظام تعلیم درست ہوجائے اور اس کے لئے یہ تجویز دی کہ ایسے تعلیمی ادارے قائم ہوں جس میں میٹرک تک دین اور دنیا کی تفریق نہ ہو۔ میٹرک کے بعد الگ الگ شعبے قائم کئے جائیں۔ ان میں کوئی انجینئر بنے، کوئی ڈاکٹر بنے، کوئی سائنس دان بنے، کوئی عالم دین بنے، کوئی محدث بنے، کوئی مفسر بنے، کوئی مجتہد بنے غرضیکہ مختلف شعبوں میں ماہرین تیار ہوں۔ نظام تعلیم کی اصلاح کے لئے کئی کمیٹیاں اور کمیشن تشکیل دیئے گئے اور ہمارے بزرگ ان میں شامل رہے اور کوشش بھی کرتے رہے۔

دینی مدارس قائم کرنے کی وجہ

لیکن ان تھک محنت کے بعد ہمارے بزرگوں نے محسوس کیا کہ انکا ارادہ نظام تعلیم میں تبدیلی لانے کا نہیں ہے تو مجبوراً انہوں نے وہی کام کیا جو انگریزوں کے دور حکومت میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے کیا تھا کہ الگ سے دینی مدارس قائم کئے تاکہ ضروری عصری علوم کے ساتھ ساتھ اپنی نسلوں کو دینی علوم پڑھائیں چنانچہ الحمدللہ بہت سے دینی مدارس میں آٹھویں جماعت تک اور بڑے بڑے مدارس میں میٹرک تک کی دینی اور دنیاوی تعلیم یکساں طور پر دی جارہی ہے۔ ہمارے ہاں اس وقت تک درس نظامی میں داخلہ نہیں ملتا جب تک طالبعلم کے اندر عصری علوم کے اعتبار سے میٹرک کی صلاحیت پیدا نہ ہوجائے۔

دارالعلوم کراچی کا قیام:

والد صاحب اور ہم ۱۹۴۸ء میں پاکستان آگئے۔ دو تین سال تو اسی کوشش

میں گذر گئے کہ نظام تعلیم میں تبدیلی آ جائے لیکن جب مایوسی ہوئی تو والد صاحب نے ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں پورے کراچی کے اندر دینی تعلیم کا کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ صرف ایک چھوٹا سا مدرسہ ''کھڈہ'' میں تھا جو بہت پرانا چلا آ رہا تھا لیکن اب وہ بھی گمنام سا ہو گیا تھا۔ والد صاحب نے نانک واڑہ کے محلے میں ایک مدرسہ قائم کیا۔

پاکستان بننے سے پہلے یہاں سکھ رہتے تھے۔ نانک وارہ کا نام بھی اسی مناسبت سے ہے۔ اس محلے میں سکھوں کے زمانے کے پرائمری سکول کی ایک عمارت تھی جو وزارت تعلیم کے کنٹرول میں تھی لیکن اس وقت ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین قیام پذیر تھے۔ جب وہ عمارت خالی ہوئی تو والد صاحب رحمہ اللہ نے کوشش کر کے اُسے دارالعلوم کے لئے حاصل کر لیا۔ دو تین کمروں اور چھوٹے سے صحن پر مشتمل یہ ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ وہاں دارالعلوم قائم ہوا۔

دارالعلوم کی سب سے پہلی جماعت:

اور اس سال سب سے پہلی جماعت جو دارالعلوم کراچی میں تعلیم کے لئے داخل ہوئی، اس میں الحمدللہ میں اور میرے بھائی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب بھی شامل تھے۔ اسی سال میں درجہ حفظ سے فارغ ہوا تھا اور پہلی تراویح سنائی تھی۔ ہمیں بھی فکر تھی کہ اب ہم کیا پڑھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دارالعلوم کراچی کی بنیاد رکھی گئی جس سے ہمارا تعلیمی سلسلہ بھی برقرار رہا۔ ہماری رہائش شہر میں برنس روڈ کے پاس تھی۔ روزانہ آنا جانا ہوتا تھا۔

طلبہ کا ہجوم اور جگہ کا کم پڑ جانا:

جیسے ہی یہ مدرسہ قائم ہوا تو مشرقی و مغربی پاکستان کے تمام صوبوں بلکہ

دوسرے ملکوں سے بھی جوق درجوق طلبہ آنا شروع ہوگئے کیونکہ اس وقت مدارس کے اعتبار سے پورے ملک کی کیفیت یہ تھی کہ ایک مدرسہ ملتان میں تھا۔ ایک مدرسہ لاہور میں تھا اور ایک مدرسہ اکوڑہ خٹک میں تھا۔ اور شاید چھوٹے چھوٹے دو چار مدرسے اور ہوں گے۔

طلبہ کی کثرت کی وجہ سے یہ جگہ تنگ پڑگئی۔ اب اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی کشادہ حاصل کرکے وہاں دارالعلوم منتقل کیا جائے کیونکہ اس مدرسہ میں بہت تنگی تھی طلبہ جہاں پڑھتے تھے۔ انہیں کمروں میں ان کے بستر لگے ہوتے تھے۔ صبح کو اٹھتے تو بستر لپیٹ کر رکھ دیتے۔ یہ درسگاہ بن جاتی۔ سبق ختم ہونے کے بعد دوپہر یا رات کو لیٹنے کا وقت ہوتا تو بستر بچھا دیتے، یہ سونے کے کمرے بن جاتے۔

دارالعلوم کے لئے بڑے میدان کا حصول (علامہ عثمانیؒ کی یادگار کے طور پر):

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جہاں انکا مزار بنایا گیا۔ وہ ایک بہت بڑا میدان تھا۔ ہم بچپن میں جب حضرت کے ہاں جاتے تو ا ن کے نواسوں کے ساتھ مل کر اس میدان میں کھیلا کرتے تھے۔ یہ میدان خالی پڑا تھا۔ حضرت والد صاحب نے یہ خواہش ظاہر کی کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ اتنی بڑی شخصیت تھے، حکومت نے ان کے لئے کوئی یادگار قائم نہ کی، ہم کوشش کرکے وہ میدان حاصل کرلیں اور اس میں علامہ عثمانیؒ کی یادگار کے طور پر بڑا دارالعلوم قائم کریں۔ اس مقصد کے لئے والد صاحب نے کوشش کی اور بالآخر یہ میدان مل گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج اسلامیہ کالج (کراچی) بنایا ہوا ہے۔ وہاں دارالعلوم کے لئے نقشہ منظور کرایا گیا۔ اسی میدان کے اندر علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی اہلیہ اور ان کے دو

بھائیوں کے لئے چھ چھ سو گز کے پلاٹ مالکانہ حقوق کے ساتھ منظور کرائے گئے۔ یہ سب کچھ مشوروں سے ہوا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کے بھائی بھی اس مشورہ میں شریک تھا۔

مدرسہ کا سنگِ بنیاد اور علامہ عثمانی کی اہلیہ کی مخالفت:

والد صاحب رحمہ اللہ علیہ نے اس مدرسہ کا سنگِ بنیاد رکھنے لئے تین روزہ کانفرنس اس میدان میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس میں مشرقی ومغربی پاکستان اور ہندوستان کے بڑے بڑے علماء اور اکابر کو دعوت دی گئی۔ دارالعلوم کے طلبہ اور اساتذہ نے اس میدان میں اپنا کیمپ ڈالا ہوا تھا اور دن رات ہم اس کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔

بالآخر کانفرنس شروع ہوگئی۔ بنیادیں بھی کھد گئیں۔ ان میں روڑی بھی ڈال دی گئی اور بزرگوں نے اپنے ہاتھوں سے اس کا سنگ بنیاد بھی رکھ دیا، کانفرنس کے ایک روز اچانک یہ ہوا کہ ایک طرف کچھ لوگ جمع تھے۔ ان میں اخباری نمائندے بھی شامل تھے۔ وہ تصویریں اتار رہے تھے۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک سیاسی لیڈر علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ کو بہلا کر یہاں لے آیا، ان سے کہا کہ دیکھئے علامہ عثمانی کے نام پر انہوں نے اس میدان پر قبضہ کرلیا ہے۔ لہٰذا آپ اس کی مخالفت کیجئے۔ وہ اسی لئے آئی تھیں۔ اخبار میں اگلے دن یہ ساری تصویریں اور خبریں لگ گئیں۔

والد صاحب کا وہاں دارالعلوم قائم کرنے سے انکار:

والد صاحب رحمہ اللہ کو اس کا بڑا غم ہوا۔ آپ علامہ عثمانی کی اہلیہ کے پاس تشریف لے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ والد صاحب نے اپنی ٹوپی ان کے قدموں میں

ڈال دی۔ (علامہ عثمانی والد صاحب کے قریبی رشتہ دار بھی تھے بزرگ بھی تھے اور استاذ بھی تھے) والد صاحب نے ان سے کہا کہ اگر آپ راضی نہیں ہونگی تو میں یہاں دارالعلوم نہیں بناؤں گا۔ یہ شخص آپ کو بہکا رہا ہے۔ آپ اس کی باتوں میں نہ آئیں۔ علامہ عثمانی کے نام ہی پر تو یہ سارا دارالعلوم قائم ہوا ہے۔ مگر وہ خاتون تھیں۔ عورت زاد تھیں۔ علامہ عثمانیؒ اسی سیاسی لیڈر کے ہاں رہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد یہ بھی وہاں رہتی تھیں۔ یہ اس کے بہکاوے میں آچکی تھیں۔ والد صاحب کے سمجھانے کے باوجود ان کی سمجھ میں نہ آیا اور انہوں نے والد صاحب کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی حال میں تین دن گذر گئے۔ تیسرے روز والد صاحب نے اس جلسہ میں اعلان کیا کہ جب تک علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ راضی نہیں ہوں گی، میں یہاں دارالعلوم نہیں بناؤں گا۔

انکار کی وجہ:

دارالعلوم کے تمام اساتذہ وطلبہ اور دور دراز سے آنے والے اکابر اور علماء حیرت میں پڑ گئے۔ جن طلبہ اور اساتذہ نے دن رات لگ کر اس انتظام کو سنبھالا تھا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ لوگوں نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے انکار فرمایا۔ اس زمانے میں کراچی کا چیف کمشنر ابوطالب نقوی تھا۔ یہ شیعہ تھا۔ یہ بڑا مضبوط اور سخت گیر شخص تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے ایک خط والد صاحب کی طرف لکھ کر بھیجا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ کچھ لوگ آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ قانون کی پوری طاقت آپ کے ساتھ ہے کیونکہ آپ نے زمین کا باقاعدہ الاٹ منٹ کرایا ہے اور اس کے نقشے پاس کرائے ہیں۔ آپ تعمیر کرائیں، کوئی طاقت آپ کو روک نہیں سکتی۔ والد صاحب اس کے باوجود بھی دارالعلوم کی تعمیر پر آمادہ نہ ہوئے اور وجہ یہ بتلائی کہ

دارالعلوم بنانا فرض عین نہیں ہے جبکہ مسلمانوں کو خلفشار سے بچانا فرض عین ہے۔ علامہ عثمانی کی اہلیہ صاحبہ اگر مطمئن نہیں ہونگی تو کچھ لوگ میرا ساتھ دیں گے اور کچھ لوگ ان کا ساتھ دیں گے جس سے مسلمانوں میں خلفشار پیدا ہوگا۔ میں امت کو خلفشار میں نہیں ڈالنا چاہتا۔

دارالعلوم کے لئے موجودہ زمین کا ملنا:

ایک دو مہینے گذرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین دارالعلوم کے لئے دے دی، جنوبی افریقہ کا ایک تاجر اس پوری زمین کا مالک تھا۔ یہ پورا علاقہ ریگستان تھا۔ یہاں سے سات میل دور تک زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ نہ کوئی سڑک تھی نہ آبادی، نہ بجلی، نہ پانی نہ گیس اور نہ کوئی سہولت۔ یہاں سے کلفٹن تک درمیان میں کوئی آڑ نہیں تھی، صرف ریت کے ٹیلے تھے۔

والد صاحب رحمہ اللہ کو تردّد ہوا کہ اگر اس ریگستان میں جا کر میں طلبہ کو ڈال دوں تو یہ زندہ کیسے رہیں گے۔ مگر احباب نے کہا کہ آپ زمین قبول فرمالیں، تعمیر ہم کرائیں گے، جب تعمیر ہو جائے گی تو پھر آپ منتقل ہو جائیں۔ والد صاحب آمادہ ہو گئے۔

دارالعلوم کی ابتدائی اور موجودہ حالت

دارالعلوم ۱۹۵۵ھ میں یہاں آیا۔ آج اسے اڑتالیس سال ہو چکے۔ ہم نے پانچ سال تک نانک واڑہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ بقیہ تین سال یہاں پڑھا۔ یہاں کا حال یہ تھا کہ روزانہ دو تین طلبہ کو بچھو کاٹتے تھے۔ ایک دو سانپ روزانہ نکلتے تھے۔ گیدڑ کمروں میں گھس کر انکا کھانا کھا جاتے۔ طرح طرح کی پریشانیاں تھیں۔ اس

وقت تک قریب کوئی آبادی نہیں تھی لیکن دو سال کے بعد کورنگی کی آبادی شروع ہوگئی اور پھر رفتہ رفتہ آبادی بڑھتی رہی اور دارالعلوم بھی ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آج دارالعلوم اس حالت میں پہنچا ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کا فضل وکرم ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت تک کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰه رب العالمين

دِینی تعَلیم

اَور عَصبیّت

موضوع دینی تعلیم اور عصبیت
مقرر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
باہتمام محمد ناظم اشرف

دینی تعلیم اور عصبیت

خطبہ مسنونہ

الحمدللّٰہ، الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفره و نؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یهده الله فلا مضل له و من یُضلل فلا هادی له ونشهدان لا اله الا الله وحده لاشریك له ونشهدان سیدنا ومولانامحمد اعبده ورسوله صلی الله تعالیٰ علیه وعلیٰ آله وصحبه اجمعین وسلم تسلیما کثیرا۔

امابعد

فاعوذبالله من الشطین الرجیم ط بسم اللّٰہ الرحمن الرحیمط

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِنْ

أَنفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِيْنٍ ○

(آل عمران:۱۶۴)

بزرگان محترم، حضرات علمائے کرام، محترم اساتذہ اور عزیز طلبہ!

حیدر آباد میں میری حاضری اس مرتبہ سالہا سال کے بعد ہوئی ہے اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اور لڑکپن کے زمانہ میں بارہا یہاں حاضری ہوئی۔ اس کے بعد آنا کم ہوا۔ بعض مرتبہ تو رات کو آیا اور رات ہی کو واپس چلا گیا۔

۴۸ء میں ہم نے پہلی بار اس حیدر آباد کو دیکھا جب ہجرت کرکے پاکستان پہنچے تو پاکستان میں ہماری سب سے پہلی منزل یہی حیدر آباد تھی، یہاں ایک رات گذاری اور اس کے بعد کراچی جانا ہوا۔

حیدر آباد سندھ سے قلبی تعلق

حیدر آباد سے ذہنی و قلبی وابستگی تو اور بھی پہلے سے تھی، پاکستان بننے سے پہلے جب تحریک پاکستان پورے عروج پر تھی تو یہاں کے بعض علماء کرام اور مشائخ عظام نے جمعیت علمائے اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس یہاں منعقد کی تھی۔

جمعیت علمائے اسلام سے مراد وہ جمعیت ہے جس کو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمتہ اللہ علیہ نے قیام پاکستان سے پہلے قائم کیا تھا اور اس کا سب سے پہلا مقصد پاکستان کے قیام کے لئے جدوجہد کرنا تھا، چنانچہ اس جمعیت علمائے اسلام کی اس عظیم الشان کانفرنس کے لئے شیخ الاسلام مفسر قرآن علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کو مدعو کیا گیا اور انہی کی زیر صدارت یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی، لیکن ان

کی علالت کے باعث انہوں نے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ کو اپنا نائب بنا کر یہاں بھیجا اور والد صاحبؒ کی صدارت میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی یہ پاکستان بننے سے چھ ماہ قبل جنوری ۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے۔

یہاں جو خطبہ صدارت والد ماجدؒ نے دیا تھا، بعد میں وہ کتابی شکل میں شائع ہوا، یہ خطبہ سیاسی مسائل پر دینی علوم کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ بہرحال اس وقت سے حیدر آباد سے ذہنی وقلبی وابستگی تھی وہ ہمارے بچپن کا دور تھا اور اس وقت ہم دیوبند میں مقیم تھے۔

قیام پاکستان کے بعد ۴۸ء میں یہاں آئے تو اس وقت کچھ مقامی مشائخ اور علمائے کرام موجود تھے، جو یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہوگئے، اس کے بعد وقتاً فوقتاً جب کبھی یہاں آنا ہوا اور جب بھی حیدر آباد کے حالات اخبارات میں پڑھے یا لوگوں سے سنے، ایک کسک، ایک خلاء بڑی شدت سے محسوس ہوا۔ اور اس خلا کو محسوس کرتے کرتے۔ ۴۸ء سے لیکر اب یہ ۸۸ء شروع ہونیوالا ہے تقریباً ۴۰ سال کے اس پورے عرصہ میں وہ خلا بڑی شدت سے محسوس ہوتا رہا۔ قبل اس کے کہ میں اس خلا کا ذکر کروں، ایک بات اور ذکر کروں۔

قیام پاکستان اور مدارس عربیہ

جب پاکستان قائم ہوا تو برصغیر میں جتنے بڑے بڑے مدارس اور علوم کے مراکز تھے اور جو بڑی اہم علمی شخصیتیں تھیں، وہ تقریباً تمام ہی ہندوستان میں رہ گئیں۔ پاکستان میں کوئی قابل ذکر مدرسہ یا مرکزی نوعیت کی کوئی دینی درسگاہ موجود نہیں تھی، بالکل اسی طرح جب پاکستان بنا ہے تو تمام صنعتی کارخانے ہندوستان میں رہ گئے تھے، یہاں کارخانے نہیں تھے۔ ہر چیز میں ہم دوسرے ممالک کے محتاج تھے۔ اسی وجہ سے

بہت سے لوگ مذاق اڑاتے تھے کہ ننگا پاکستان ہے، بھوکا پاکستان ہے لیکن جس طریقے سے کارخانوں کی کمی کو اللہ جل شانہ نے پورا کیا اور صنعتی ترقی پاکستان نے کی، اور وہ خلا پر ہوا، جو قیام پاکستان کے وقت صنعتی میدان میں موجود تھا، اسی طریقہ سے ایک خلا دینی حلقوں میں تھا، یہاں کوئی بڑا مدرسہ قابل ذکر موجود نہیں تھا۔ کراچی میں ایک پرانا مدرسہ تھا۔ مظہر العلوم کھڈہ، پورے پاکستان کی ضرورتوں کے لئے وہ کافی نہ تھا، اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہمارے اکابر علماء نے بڑے بڑے مدرسوں کی بنیادیں رکھیں اور بحمد اللہ مدارس قائم ہوتے چلے گئے۔

لاہور میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ نے جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھی۔ ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے خیر المدارس قائم فرمایا۔ کراچی میں میرے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ نے دارالعلوم کراچی قائم کیا۔ ٹنڈوالہیار میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے دارالعلوم الاسلامیہ کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں اتنے مدرسہ ہوگئے کہ الحمدللہ اب مدرسوں کی تعداد میں کوئی کمی ملک میں نظر نہیں آتی۔ کراچی میں تو اب یہ حال ہے کہ محلہ محلہ میں مدرسہ ہے بلکہ میں کہتا ہوں اور اپنے والد ماجدؒ سے سنا تھا۔ اس لئے کہتا ہوں کہ کراچی میں درس نظامی کے مدرسے اتنی تعداد میں ہوگئے ہیں کہ اتنی ضرورت وہاں نہیں تھی۔

بلکہ زیادہ تعداد سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ ہر مدرسہ کے الگ مصارف ہیں۔ ایک مدرسہ میں تین طالب علم لئے بیٹھے ہیں۔ بعض اساتذہ ان کے لئے چندہ کرتے پھر رہے ہیں، دوسرے مدرسہ میں پانچ طالب علم بیٹھے ہیں ان کے لئے چندہ ہو رہا ہے، عمارتیں بن رہی ہیں، کراچی میں تو مدرسوں کی یہ افراط ہے، پنجاب اور صوبہ سرحد میں بھی آپ جائیں گے تو چھوٹے چھوٹے شہروں میں دو دو تین تین مدرسے آپ کو ملیں گے، بحمد اللہ بڑے بڑے مدرسے بھی ہیں۔

لیکن اللہ ہی کو معلوم ہے اس کا کیا سبب ہے کہ حیدر آباد میں مدرسوں کا جو خلا ۴۸ء میں تھا وہ آج تک اسی طرح ہے، یہاں کوئی ایسا تعلیمی اور تربیتی ادارہ وجود میں نہیں آسکا جو اس شہر کی اور اس کے متعلقات کی دینی ضرورتوں کو پورا کرسکے ابھی تک کوئی قابل ذکر دارالافتاء بھی یہاں میرے علم میں نہیں ہے۔

اور علماء پیدا ہوتے ہیں مدرسوں سے، جب یہاں مدرسہ نہیں ہوگا تو علماء کیسے پیدا ہوں گے؟ تو ۴۸ء سے یہ ایک کسک محسوس ہوتی ہے اور ایک خلا نظر آتا ہے حیدر آباد میں، یہ بہت بڑی کمی ہے اور خطرناک کمی ہے۔

دین اسلام اور علم

وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارا دین جو تاجدار عالم سرور کونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا، اس کی بنیاد علم پر ہے، اگر اس میں سے علم نکالا دیا جائے تو دین ختم ہو جائے۔ اس دین کا مدار علم پر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرائض منصبی قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں وہ چار ہیں، وہ فرائض اسی آیت میں ارشاد فرمائے گئے ہیں جو میں نے ابھی عربی خطبہ میں پڑھی ہے۔

لقدمن اللہ علی المؤمنین الخ اس آیت میں آپ کی بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ یتلو علیهم آیاته یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کو صحیح طریقہ سے پڑھ سکیں اور اللہ کا پیغام پہنچ جائے۔ دوسرا ویزکیهم اوران کے اخلاق کا تزکیہ کریں یعنی لوگوں کے اخلاق وعادات کی اصلاح فرمائیں۔ ویعلمهم الکتب والحکمة اورلوگوں کو قرآن کی اور حکمت کی تعلیم دیں، ان چار مقاصد میں آپ دیکھئے کہ بنیادی طور پر دو باتیں ہیں ایک تعلیم قرآن وسنت دوسرے تربیت یعنی علم کے مطابق اعمال واخلاق کی اصلاح۔

تورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کا خلاصہ دو کام ہیں تعلیم اور تربیت انہی دو کاموں کو آپ نے ۲۳ سال تک متواتر انجام دیا، معلوم ہوا کہ دین کی بنیاد علم پر ہے اور اس کا اندازہ ایک تو اسی بات سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امت کا سب سے پہلا معلم اور استاد بنا کر بھیجا گیا، دوسرے آپ اس سے اندازہ کیجئے کہ وہ سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی یعنی سب سے پہلی آیت جو غارحرا میں جبریل امینؑ لے کر آئے وہ آیت اقراء کے لفظ سے شروع ہو رہی ہے۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم۔ یہ آیات ہیں جو سب سے پہلے غارحرا میں نازل ہوئیں ان آیات میں جو سب سے پہلا حکم ہے وہ اقراء یعنی پڑھئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل امینؑ اللہ جل شانہ کا پیغام دے رہے ہیں کہ پڑھئے: اقرأ باسم ربك الذی خلق یعنی پڑھئے اس ذات کے نام سے کہ جس نے پیدا کیا۔ خلق الانسان من علق اس نے جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ اقرأ وربك الاکرم دیکھئے دوبارہ حکم آیا۔ کہ آپ پڑھئے آپ کا پروردگار بہت کرم والا ہے علم بالقلم جس نے انسان کو تعلیم دی ہے قلم کے ذریعہ دیکھئے تعلیم کا بھی ذکر آرہا ہے اور قلم کا بھی ذکر آرہا ہے۔ علم الانسان مالم یعلم انسان کو ایسی چیزوں کی تعلیم دی جو پہلے وہ نہیں جانتا تھا۔

تو سب سے پہلی آیت اور سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ پڑھئے۔ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے پہلی ہے، ترتیب قرآن کے اعتبار سے تو یہ آیت سب سے پہلی نہیں، لوح محفوظ میں قرآن کریم جس ترتیب سے لکھا ہوا ہے، اسی ترتیب سے یہ قرآن مرتب ہوا ہے اور لوح محفوظ کی اسی ترتیب کے مطابق آج بحمداللہ

ہمارے مصاحف اور سینوں میں محفوظ ہے لیکن اس کا نزول لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق نہیں ہوا۔ بلکہ یہ مختلف حالات اور ضرورتوں کے مطابق متفرق طور پر نازل ہوا ہے۔ چنانچہ نزول کے اعتبار سے سب سے پہلے آیت اقرأباسم ربك الذی خلق الخ ہے۔

اور قرآن مجید کی جو ترتیب ہمارے مصاحف میں ہے اور جو لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق ہے اس ترتیب میں سب سے پہلے سورہ فاتحہ ہے اور اس کے بعد سورہ بقرہ ہے۔ سورۂ فاتحہ پورے قرآن کریم کا دیباچہ اور مقدمہ ہے قرآن کریم مفصل متن سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ سے شروع ہورہا ہے جس کی سب سے پہلی آیت الٓمّ ذالك الكتب ہے۔ یہاں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتاب کا ذکر سب سے پہلے آیا ہے۔ وہاں سب سے پہلی وحی میں پڑھنے کا ذکر ہے۔ قلم کا ذکر ہے تعلیم کا ذکر ہے اور یہاں سورۂ بقرہ کی سب سے پہلی آیت میں کتاب کا ذکر ہے۔

مزید دیکھئے کہ قرآن مجید کا نام ہے۔ ''القرآن'' یعنی وہ چیز جس کو پڑھا جائے۔ اور دوسرا نام ہے ''الکتاب'' یعنی وہ چیز جو لکھی جائے تو یہ دین لکھنے پڑھنے کا دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۲۳ سالہ دور میں یہی کام کیا ہے کہ آپ نے قرآن پڑھایا اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی، یہی حاصل ہے تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت طیبہ کا۔

مزید اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو عام کرنے کا کتنا اہتمام فرمایا تھا کہ غزوۂ بدر جو حق و باطل کا سب سے پہلا معرکہ ہے اس میں کفار کے بڑے بڑے سردار قتل کئے گئے۔ اور ۷۰ بڑی شخصیتیں گرفتار ہوئیں۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں فتح مبین عطا فرمائی، قیدیوں کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کا کیا کیا جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ انہیں

قتل کردیا جائے۔ ایک رائے یہ ہوئی کہ فدیہ اور مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے تا کہ مسلمانوں کو مالی منفعت حاصل ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ کفار مکہ مال دے کر اپنے قیدی چھڑا رہے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان قیدیوں میں سے جو لوگ لکھنا جانتے ہیں ان کا فدیہ ہم مال و دولت کی صورت میں نہیں لیں گے۔ بلکہ ہر قیدی جو لکھنا جانتا ہے وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو لکھنا سکھا دے اس کی جان بخشی ہو جائے گی۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو لکھنا سکھانے کا اہتمام فرمایا۔

درسگاہِ صُفّہ

ہجرت مدینہ کے بعد جب مسجد نبوی تعمیر ہوئی تو اسی میں ایک صفہ تھا۔ یہ صفہ اسلام کی سب سے پہلی درسگاہ اور سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ اس کے اندر چار سو کے قریب طلبہ صحابہ کرامؓ زیر تعلیم رہے ہیں اور ایک ایک وقت میں تقریباً اسی طالب علم رہے، انہیں میں سے ایک ہونہار طالب علم حضرت ابو ہریرۃؓ ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۵۳۷۴ حدیثیں یاد کر کے امت تک پہنچائیں۔

یہ صفہ کیا تھا؟ یہ مسجد نبوی کے ساتھ ایک چبوترہ تھا۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیا کرتے تھے، خلاصہ یہ کہ سب سے پہلے استاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب سے پہلے شاگرد صحابہ کرامؓ ہیں اور سب سے پہلا مدرسہ صفہ ہے۔

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ دین علم کے بغیر نہیں آ سکتا، دین موقوف ہے علم پر، علم کے بغیر نہ انسان کا عقیدہ درست ہو سکتا ہے، نہ عمل کی اصلاح

ہوسکتی ہے نہ فرائض ادا ہو سکتے ہیں، نہ حرام سے بچا جاسکتا ہے۔

فضائل علم

وجہ اس کی یہ ہے کہ نجات موقوف ہے عقیدہ اور عمل پر یعنی ایمان اور عمل پر، اور ایمان وعمل موقوف ہے علم پر۔ تو نجات موقوف ہے علم پر، اس واسطے یہ دین علم کا دین ہے، لکھنے پڑھنے کا دین ہے چنانچہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی ہی احادیث میں علم کے اور علماء کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تَدارُسُ العلم سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ اِحيَاءِ هَا یعنی ایک رات کے گھنٹہ میں علم کا تدارس کرنا، مذاکرہ کرنا، علم میں مشغول رہنا یہ بہتر ہے پوری رات کی عبادت سے، یعنی ایک شخص جو پوری رات کھڑے ہوکر تہجد پڑھتا ہے یہ بھی بہت بڑی فضیلت اور عبادت ہے۔ اللہ کو بہت پسند ہے، لیکن فرمایا کہ دوسرا شخص جو ایک گھنٹہ علم میں مشغول رہتا ہے، پڑھتا ہے یا پڑھاتا ہے اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے اس شخص سے جو پوری رات عبادت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو شخصوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ ایک وہ شخص جو فرائض وواجبات ادا کرتا ہے اور حرام وگناہ سے بچتا ہے، نفلی عبادت زیادہ نہیں کرتا، مگر عالم ہے، دوسرا عالم تو نہیں، لیکن بہت عبادت گذار ہے، صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ان میں سے افضل کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا افضل وہ شخص ہے جو علم والا ہے۔

نیز آپ نے بھی فرمایا فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى ادنكُمْ ۔ فضیلت عالم کو عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ صحابی پر، یعنی جو فرق

ایک ادنیٰ صحابی اور مجھ میں ہے وہی فرق ایک عابد اور عالم میں ہے تو یہ دین علم کا دین ہے اس میں کمال علم کے بغیر نہیں آتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ طَلَبُ العِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ یعنی علم دین حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

علم دین فرض عین اور فرض کفایہ

علم دین بہت سے علوم پر مشتمل ہے اور ظاہر ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت اس پر قادر نہیں کہ ان سب علوم کو پورا حاصل کرسکے، اس لئے مذکورہ حدیث شریف میں جو علم ہر مسلمان پر فرض قرار دیا گیا ہے اس سے مراد علم دین کا وہ حصہ ہے جس کے بغیر آدمی نہ اپنے عقائد صحیح کرسکتا ہے نہ فرائض وواجبات ادا کرسکتا ہے اور نہ حرام وناجائز کاموں سے بچ سکتا ہے۔ باقی علوم کی تفصیلات یعنی قرآن وحدیث کے تمام معارف ومسائل اور ان سے نکالے ہوئے احکام کی پوری تفصیل کا علم حاصل کرنا نہ ہر مسلمان کی قدرت میں ہے نہ ہرایک پر فرض عین ہے، البتہ پورے عالم اسلام کے ذمہ فرض کفایہ ہے، یعنی ہر شہر میں ایک عالم دین ان تمام علوم دین کا ماہر موجود ہو تو باقی مسلمان اس فرض سے سبکدوش ہوجاتے ہیں، اور جس شہر یا قصبہ میں ایک بھی عالم دین نہ ہو تو اس بستی والوں پر فرض ہے کہ اپنے میں سے کسی کو عالم بنائیں یا باہر سے کسی عالم کو بلاکر اپنے شہر میں رکھیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر باریک مسائل کو اس عالم سے فتویٰ لے کر سمجھ سکیں اور عمل کرسکیں، اسلئے علم دین میں ''فرض عین'' اور ''فرض کفایہ'' کی تفصیل یہ ہے:۔

فرض عین اور فرض کفایہ کی تفصیل

ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے کہ اسلام کے صحیح عقائد کا علم حاصل کرے

اور طہارت وناپاکی کے احکام سیکھے، نماز، روزہ اور تمام عبادات جو شریعت نے ہر مسلمان پر فرض یاواجب کی ہیں ان کا علم حاصل کرے، جن چیزوں کو شریعت نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان کا علم حاصل کرے۔ جس کے پاس بقدر نصاب مال ہو اس پر فرض ہے کہ زکوٰۃ کے مسائل واحکام معلوم کرے۔ جس کو حج کرنے کی قدرت ہے، اس پر فرض عین ہے کہ حج کے احکام ومسائل معلوم کرے۔ جس کو خرید وفروخت کرنا پڑے یا تجارت وصنعت یا مزدوری کے کام کرنے پڑیں۔ اس پر فرض عین ہے کہ بیع واجارہ کے مسائل واحکام معلوم کرے۔ جب نکاح کرے تو نکاح کے احکام ومسائل اور طلاق کے احکام ومسائل سیکھے، غرض جو کام شریعت نے ہر انسان کے ذمہ فرض یا واجب کئے ہیں ان کے احکام ومسائل کا علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

علم تصوف کا ضروری حصہ بھی فرض عین ہے

دین کے ظاہری اعمال جو ہم اپنی زبان سے انجام دیتے ہیں یا جسم کے باقی ظاہری اعضا وجوارح سے انجام دیتے ہیں مثلاً نماز، روزے وغیرہ کو تو سب ہی جانتے ہیں کہ فرض عین ہیں اور ان کا ضروری علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ باطنی اعمال جو اپنے دل سے انجام دیتے ہیں اور جو ہر شخص پر فرض عین ہیں ان کا علم بھی سب پر فرض عین ہے۔

اعمال باطنہ کے علم ہی کو تصوف کہتے ہیں، آجکل جس کو ''علم تصوف'' کہا جاتا ہے وہ بھی بہت سے علوم ومعارف اور مکاشفات واردات کا مجموعہ بن گیا ہے، اس جگہ فرض عین سے مراد اس کا صرف وہ حصہ ہے جس میں اعمال باطنہ فرض وواجب کی تفصیل ہے مثلاً صحیح عقائد جن کا تعلق باطن سے ہے یا صبر وشکر، توکل،

قناعت وغیرہ ایک خاص درجے میں فرض عین ہیں۔ ان کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے یا غرور وتکبر، حسد وبغض، بخل وحرصِ دنیا وغیرہ جوازروئے قرآن وسنت حرام ہیں، ان کی حقیقت اور ان سے بچنے کے طریقے معلوم کرنا بھی ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، علم تصوف کی اصل بنیاد اتنی ہے جو فرض عین ہے۔

پورے قرآن کریم کے معانی ومسائل کو سمجھنا اور تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا، قرآن وسنت سے جو احکام ومسائل نکلتے ہیں، ان سب کا علم حاصل کرنا، اس میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال وآثار سے واقف ہونا۔ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کر کے بھی پورا حاصل ہونا آسان نہیں، اس لئے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے کہ بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ سب علم حاصل کرلیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے ورنہ اس بستی کے سب لوگ گنہگار ہوں گے۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ ہر بستی کے لوگوں پر لازم ہے کہ کم ازکم ایک ایسا عالمِ دین اپنی بستی میں تیار کریں، جو اس بستی کی علمی اور دینی ضرورتوں کو پورا کر سکے اگر ایسا عالم تیار نہیں کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ حیدر آباد میں مدرسوں کا فقدان ہے۔ الحمدللہ یہاں بعض مدرسے قائم ہوئے ہیں لیکن ابھی یہاں کی ضرورت کما حقہ پوری نہیں ہوئی۔

ریاض العلوم کی سرپرستی

مجھ سے میرے عزیزوں نے محبت اور تعلق کی بناء پر فرمایا ہے کہ ہم آپ کو جامعہ کا سرپرست مقرر کرتے ہیں قبول کرلو۔ سرپرست کیا، میں تو ایک طالب علم

ہوں، اللہ جل شانہ میرا شمار طالب علموں میں فرمادے تو اس سے بڑا کیا مرتبہ ہے، میں تو طالب علموں کا خادم ہوں سرپرست ہونے کا تو کیا اہل ہوتا لیکن میں نے اس امید پر اس مدرسہ کے ساتھ اس تعلق کو غنیمت سمجھا کہ ممکن ہے اس کے ذریعے سے ہمیں کچھ موقع مل سکے اور اپنے دوستوں اور بہی خواہوں کو توجہ دلاسکیں کہ حیدر آباد کے اندر اتنا بڑا خلا ہے جس کو پر کرنا ضروری ہے اس کے لئے کچھ سوچیں۔

یہ جامعہ عربیہ ریاض العلوم مجھے معلوم ہے کہ ابھی اس میں بالکل ابتدائی درجہ کی تعلیم ہے۔ قرآن کریم حفظ وناظرہ کی تعلیم ہو رہی ہے اور درسگاہ دینیات میں ابتدائی کتابیں عربی زبان کی اور صرف ونحو کی پڑھائی جاتی ہیں۔ مجھے اس مدرسہ کے منتظمین سے رابطہ کا تعلق اور قلبی تعلق تو پہلے سے تھا لیکن ضابطہ کے تعلق کو میں نے اپنے لئے اس لئے غنیمت سمجھا کہ شاید اس جامعہ کو جو اس وقت ایک چھوٹا سا مکتب ہے اللہ تعالیٰ واقعی جامعہ بنادے اور اس جامعہ کے خدام کی فہرست جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو تو اس سیہ کار کا نام بھی اس فہرست کے آخر میں کسی گوشہ میں لکھا ہوا مل جائے جو میرے لئے ذریعہ نجات بن جائے۔

یہ مکتب ہے مگر اس کا نام جامعہ ہے۔ عربی زبان میں جامعہ یونیورسٹی کو کہتے ہیں۔ کہاں یونیورسٹی کہاں پرائمری اسکول، پرائمری اسکول کا نام اگر یونیورسٹی رکھ دیا جائے تو لوگ کیا کہیں گے؟ ممکن ہی اس ابتدائی مدرسہ کا نام ''جامعہ'' دیکھ کر بعض حضرات ہنستے ہوں، لیکن میں تو اس کی یہ تاویل کرتا ہوں کہ جب طالب علم پڑھ رہا ہوتا ہے تو اس کو ''مولوی'' کہتے ہیں۔ نام نہیں لیتے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ یہ مولوی بن گیا ہے بلکہ یہ ہوتی ہے کہ آئندہ مولوی بننے والا ہے۔ یہ مدرسہ بھی ابھی جامعہ نہیں ہے زبانوں پر جامعہ کا لفظ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دلوں میں ڈالا ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کو واقعی جامعہ بنادے اور بڑا دارالعلوم بن جائے۔

نیشنلزم کا بُت

مجھے آپ سے جو بات کرنی ہے وہ یہ ہے کہ اس حیدرآباد میں بدعات کا بہت زور ہورہا ہے، آپ دیکھ رہے ہیں، اتنی شدت سے بدعتیں پھیل رہی ہیں، جس کا اندازہ آپ حضرات کو مجھ سے بدرجہا زیادہ ہوگا، میں تو کراچی میں رہتا ہوں، لیکن وہاں بیٹھ کر حیدرآباد کے حالات پڑھ کر اور سن کر کڑھتا رہتا ہوں، یہ تو بدعتیں ہیں جو حرام ہیں مگر کفر نہیں۔

لیکن ایک اور بت اور اس کے ماتحت بہت سارے بت تراش لئے گئے ہیں۔ کراچی میں بھی اور حیدرآباد میں بھی اور کوشش یہ ہے کہ ان کی پوجا پاکستان کے تمام علاقوں میں شروع ہوجائے حیدرآباد اور کراچی میں تو ان کی پوجا شروع ہوگئی ہے۔

ایک بڑا خطرناک بت تراشا گیا ہے اور اس کی کئی شاخیں ہیں۔ اس طرح وہ کئی بت بن جاتے ہیں۔ یہ وہ بت ہے جس کو تاجدار دو عالم سرور کونین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پاش پاش کیا تھا۔ اس بت کو چکنا چور کیا تھا الحمدللہ کراچی میں علماء اس بت کو توڑنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

افسوس یہ ہے کہ یہاں حیدرآباد میں اس بت کے خلاف موثر کاروائی شروع نہیں ہوئی اور وہ بت ہے قومی عصبیت کا بُت، قومیت کا بُت، کہیں مہاجر قومیت کے اور کہیں پنجابی قومیت کے نعرے اٹھ رہے ہیں، کہیں سندھی قومیت اور کہیں پختون قومیت کے نعرے لگ رہے ہیں یہ نیشنلزم ہے یہ قومیت کا مذہب ہے، قومیت کا دین ہے، اس کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اس نیشنلزم کا حاصل یہ ہے کہ پنجابی پنجابی کا بھائی ہے، مہاجر کا بھائی نہیں، پختون پختون کا بھائی ہے سندھی کا بھائی

نہیں، سندھی سندھی کا بھائی ہے بلوچ کا بھائی نہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک قوم اور ایک علاقہ کے لوگ آپس میں حق پر ہوں یا باطل پر ایک دوسرے کی ہر صورت میں مدد کریں گے اور دوسری قوم کی ہر صورت میں مخالفت کریں گے یہ حاصل ہے اس نیشنلزم کا اور قومیت کے بت کا۔

خوب سمجھ لیجئے کہ وطنی قومیت، صوبائی قومیت، لسانی قومیت، نسلی قومیت، قبائلی قومیت یہ تمام بت ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدم مبارک سے کچلا تھا۔ اگر اسلام میں وطنی قومیت کی کوئی بنیاد ہوتی تو قرآن یہ اعلان نہ کرتا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی دنیا کے تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، قرآن نے پوری دنیا کے اندر صرف دو قومیں بتلائی ہیں، مومن اور کافر تیسری کوئی قوم نہیں قرآن کریم میں ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ ﴾

(التغابن)

”وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پس تم میں سے کچھ لوگ کافر ہیں اور کچھ لوگ مومن ہیں“۔

اسلامی قومیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الکفر کُلُّهٗ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ کفر پورا کا پورا ایک ملت ہے چاہے وہ عیسائی ہوں، یہودی ہوں، ہندو ہوں، مجوسی ہوں، مشرک ہوں، بدھ مت کے لوگ ہوں کیمونسٹ ہوں، سوشلسٹ ہوں، یہ سب کے سب ایک ملت ہیں ان کی آپس میں کتنی ہی رقابتیں ہوں لیکن وہ اسلام کے مقابلہ میں ایک ہی ملت ہیں اور پوری دنیا کی تمام اقوام کے مقابلہ میں اسلام ایک ملت ہے اور تمام

مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

اِنَّمَا المُؤمِنُونَ اِخوَۃٌ۔ قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے کہ ملت دین کی بنیاد پر بنتی ہے جو کلمہ توحید لا الـه الا الله محمد رسول الله کا قائل ہو وہ مومن ہے مسلمان ہے اور جو اس کلمہ کا منکر کافر ہے مشرک ہے اور جہنمی ہے اسلام اور مسلمان کا وہ دوست نہیں ہوسکتا، پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ یہ بات واضح کردی گئی ہے۔

یـاایُّھَـا الـذِیـنَ امنُوا لَا تَتَّخِذُوا الیھُودَ وَ النَّصارىٰ اَولِیاء۔ اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ ان سے دوستی کرنا بھی ناجائز ہے، لوگ مسئلہ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر کسی کافر کے ساتھ کھانا کھانا پڑجائے تو جائز ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں جائز ہے پانی پینا پڑجائے تو جائز ہے۔خرید وفروخت کرنی پڑجائے، شراکت ومضاربت کرنی پڑجائے جائز ہے، لیکن یاد رکھئے کہ کسی کافر سے دوستی جائز نہیں، جب دوستی جائز نہیں تو بھائی بنانا کیسے جائز ہوجائے گا؟

پاکستان اسی بنیاد پر بنا تھا کہ کانگریس نے نعرہ لگایا تھا، ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' مسلم لیگ نے اور علماء کرام نے نعرہ لگایا'' مسلم مسلم بھائی بھائی'' ہندو مسلم بھائی بھائی نہیں ہوسکتے، اسی وجہ سے یہ پاکستان الگ بنا تھا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہے ہندو الگ قوم ہے ہندو کا وطن الگ ہوگا ہمارا وطن الگ ہوگا، یہی وہ دوقومی نظریہ ہے جس کو نظریہ پاکستان کہا جاتا ہے اور اسی نظریہ پر پاکستان کا وجود قائم ہے۔

انتباہ

یاد رکھیئے کہ یہ پاکستان باقی رہے گا تو اسی نظریہ کی بنیاد پر باقی رہے گا اس نظریہ کو اس ملک سے ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ پاکستان ختم ہوجائے گا لیکن پاکستان کے دشمنوں نے اسلام کے دشمنوں نے قومیت کے بت تراشے ہیں۔ مہاجر

قومیت کا بت، پختون قومیت کا بت، ایک سندھی قومیت کا بت، پنجابی قومیت کا بت، بلوچ قومیت کا بت، یہ تمام بت ہیں اور یہ دعوت دی جارہی ہے کہ مہاجر اس بت کی پوجا کریں، پنجابی اس بت کی پوجا کریں۔ پختون اس بت کی پوجا کریں اور بلوچ اس بت کی پوجا کریں اور پرانے سندھی اس بت کی پوجا کریں۔

لَاالٰہ الّا اللّٰہُ مُحَمّد رسول اللّٰہ کا کلمہ پڑھنے والوں کی غیرت کو کیا ہوا ہے اس مشرکانہ دعوت کو کیوں نہیں ان کے منہ پر مار دیا جاتا، کیوں اس کے خلاف تبلیغ نہیں کی جاتی۔ یہ مشرکانہ نعرہ ہے، کافرانہ نعرہ ہے۔ اسلام کی بنیادوں کے خلاف ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس نعرہ کے نتیجہ میں ملک کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ آپ کے حیدرآباد کی معاشی حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی کراچی تباہی کے کنارہ پہنچ چکا ہے۔ یاد رکھئے کراچی ایک ایسا شہر ہے جو پورے ملک کی شہ رگ ہے، دشمن نے اس کراچی کو اپنا نشانہ بنایا ہے تاکہ قومیت کے فسادات ہوں۔ پیش نظر یہ ہے کہ کراچی کو تباہ کریں تاکہ پاکستان تباہ ہوئے۔

پاکستان اہل اسلام کی پناہ گاہ

یہ پاکستان ہم پر اللہ رب العالمین کی عظیم نعمت ہے۔ ہندوستان میں جس مسلمانوں پر مظالم ٹوٹے تو ان کو پناہ پاکستان میں ملی۔ برما کے مسلمانوں پر سوشلسٹوں نے مظالم ڈھائے ان کو پناہ پاکستان میں ملی۔ بنگلہ دیش میں مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے تو وہاں کے بہاری بھائیوں کو پناہ پاکستان میں ملی۔ افغانستان میں مسلمانوں پر قیامت توڑی گئی تو ان کو پناہ پاکستان میں ملی، ایران میں اب سنیوں پر مظالم ہورہے ہیں تو ان کو پناہ پاکستان میں مل رہی ہے۔

لیکن پاکستانیو! تم یہ بھی سوچو کہ اگر خدانخواستہ اس پاکستان کو کچھ ہوگیا تو

تمہیں پناہ کون دیگا؟ کہاں پناہ لوگے؟ تمہارے پاس سوائے سمندر کے اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ کیا سعودی عرب تمہیں پناہ دے گا؟ وہاں تم ایک گھنٹہ بھی بغیر ویزے کے نہیں رہ سکتے۔ یہاں سے جانیوالوں کو اس کا تجربہ ہے کسی بھی اسلامی ملک میں تمہیں ایک گھنٹہ بھی بغیر ویزے کے نہیں رہنے دیں گے کیا ان میں سے کوئی پناہ دے گا کہ یہاں آجاؤ اور رہنے لگو۔ خدانخواستہ پاکستان کو کچھ ہوگیا تو سوائے سمندر میں ڈوبنے کے کوئی راستہ نہیں ملے گا۔

دشمن اس حقیقت سے واقف ہے جو ہمارا بھی دشمن ہے پاکستان کا بھی دشمن ہے دین اور اسلام کا بھی دشمن ہے اس نے ہمارے اندر قومیت کے یہ بت تر شوا دیئے ہیں، لیڈروں نے اپنی لیڈری چمکانے کے لئے لوگوں کو اس دھندے میں لگادیا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کتنے عرصہ قبل یہ بات کہی تھی ، عصبیت اور قومیت کے بارے میں کہ

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن ہے اس کا وہ ملت کا کفن ہے

اسلامی اخوت ومحبت

یاد رکھئے اس فتنہ کا مقابلہ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے کسی جماعت سے ہماری دشمنی نہیں، کسی شخصیت سے ہمیں عناد نہیں، ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کے مسلمان بلکہ ساری دنیا کے تمام مسلمان ہمارے بھائی ہیں، اگر کسی سندھی مسلمان کا کوئی نقصان ہوتا ہے تو ہمیں بے چین ہوجانا چاہیے، پنجابی یا پختون بھائی پر کوئی ظلم ہوتا ہے تو ہماری رگ حمیت پھڑک جانی چاہئے کہ ایک مسلمان پر ظلم ہورہا ہے، بھائی پر ظلم ہورہا ہے۔ اگر مہاجر کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں اس کی مدد کے لئے دوڑنا چاہئے

کیونکہ وہ ہمارا مسلمان بھائی ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ تعاوَنوا عَلَی البِرِ وَالتَّقویٰ ولاَ تَعا وَنوا عَلی الاِ ثـمِ والـعُـدوان۔ نیکی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور ظلم وگناہ میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو، قرآن کریم نے دنیا کے سارے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا کر نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے، کسی بھی علاقے اور کسی بھی نسل کا مسلمان ہووہ کوئی بھی زبان بولتا ہو، وہ ہمارا بھائی ہے نیک کاموں میں ان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے اُسے ظلم سے بچانا ہمارا فرض ہے ہاں ناجائز کاموں میں یا ظلم میں کسی کی بھی مدد کرنا خواہ وہ ہمارا بیٹا ہو یا قریبی رشتہ دار ہوحرام ہے لیکن یہ قومیت کا بت جسے نیشنلزم کہاجاتا ہے وہ اپنے پجاریوں کو یہ سکھاتا ہے کہ اپنے ہم وطن کی اور اپنی زبان بولنے والے کی ظلم میں بھی مدد کرو، دوسرے علاقوں کے لوگوں سے نفرت کرواوران پر جوبھی ظلم ڈھایاجائے وہ روا ہے۔

کراچی میں اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں تمام علاقوں کے مسلمان ہمیشہ پیار سے رہتے تھے۔ ہمیشہ شیروشکر رہے ہیں، ہمارے دشمن نے یہ کام کیا کہ ہمیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا دیا، جب جھگڑا کسی محلّہ میں ہو اور وہاں مثلاً کسی مہاجر کے مکان کوکسی ظالم نے آگ لگادی۔ یہ اُس ظالم نے بہت بڑا ظلم کیا، گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوااور اپنے لئے جہنم کی آگ تیار کرلی ،لیکن کیا اس کا انتقام کسی اور بے گناہ پنجابی بھائی سے یا پختون بھائی سے لینا جائز ہوگا؟ جس نے کسی پر ظلم نہیں کیا، اور نہ وہ اس ظلم کو درست سمجھتا ہے، بے چارہ بے گناہ ہے اسی طرح اگر کسی محلّہ میں ہمارے پختون بھائی یا پنجابی بھائی پر ظلم ہوا تو کیا دوسرے محلے کے کسی بے گناہ مہاجر بھائی سے اس کا انتقام لینا جائز ہوگا؟

میں آپ سے پوچھتا ہوں ایک ادنیٰ سمجھ والا مسلمان یہ بتائے کہ یہ جائز

ہوگا؟ ظاہر ہے کہ آپ بھی یہی کہیں گے کہ ناجائز ہے حرام ہے، جس نے مکان جلایا ظالم وہ ہے، اس کو پکڑو، اس علاقہ کا دوسرا مسلمان بھائی یہاں رہتا ہے اس نے تمہارا کوئی نقصان نہیں کیا، اس کو پکڑ نا تمہیں کیسے جائز ہے؟ لیکن یہ قومیت کا بت کہتا ہے اپنی قوم کے آدمیوں کی مدد کرو۔ چاہے وہ ظلم کرر ہے ہوں تب بھی مدد کرو۔

اگر ہم اپنے بھائی کو اپنی برادری کے، اپنے قبیلہ کے، اپنے وطن کے آدمی کو ظلم کرتا ہوا دیکھ رہے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور اس کو ظلم نہ کرنے دیں، اس لئے کہ وہ دنیا میں بھی رسوا ہوجائے گا اور آخرت میں بھی تباہ و برباد ہوجائے گا۔ مسلمان کی جان و مال اور آبرو کی بڑی قیمت ہے اللہ جل شانہ کے نزدیک اس کی بڑی عظمت ہے اس کے بارے میں حدیث میں فرمایا کہ اس کی حرمت ایسی ہے جیسی حرمِ مکہ کی حرمت۔

آج اس قومیت کے بت نے ہمیں پاش پاش کرڈالا ہے، میں یہ نہیں کہتا ہے کہ آپ سیاسی پارٹیوں کے ساتھ ڈنڈا بازی شروع کردیں، لڑائی جھگڑا شروع کردیں کہ اس سے ایک نیا جھگڑا کھڑا ہوجائے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ ان کو گالی گلوچ شروع کردی جائے اور ان کے خلاف بیان بازی کا بازار گرم کردیا جائے نہیں، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ لوگوں کے اندر اسلامی بھائی چارے کے جذبات کو زندہ کیجئے اسلامی اخوت اور برادری کی تعلیم دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یاد دلایئے۔

آپ ان کو بتایئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے، حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مکہ کے رہنے والے تھے، ان کی لڑائیاں کن سے ہوئیں؟ اپنے وطن کے لوگوں سے، مکہ مکرمہ کے کافروں سے، دیکھئے قوم تو ایک ہی ہے قریش تھے، مکی تھے۔ ایک

علاقہ اور ایک زبان کے تھے، ایک قبیلہ اور ایک معاشرت کے لوگ تھے لیکن جنہوں نے کلمہ توحید کو قبول نہیں کیا۔ وہ دشمن سے بدتر ہو گئے اور جنہوں نے کلمہ توحید کو قبول کرلیا۔ وہ بھائی بن گئے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وطن کو چھوڑ کر مہاجر بنے، مدینہ طیبہ پہنچے۔ وہاں کن کو بھائی بنایا؟ انصاریوں کو، وہ آپ کے وطن کے تھے؟ آپ کے قبیلہ کے تھے؟ آپ کی نسل کے تھے؟ نہیں بلکہ ایک نئی قومیت بنائی گئی اور اس نئی قومیت کی بنیاد اسلام ہے۔

ابولہب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اس کو تو مردود قرار دیا، ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش دادا کے انتقال کے بعد کی۔ وہ بھی کفر کی وجہ سے جہنمی قرار پائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ سے کس کو لگایا؟ زید بن حارثہؓ کو، حبشہ کے رہنے والے بلال حبشیؓ کو، فارس وایران کے رہنے والے مسلمان کو، روم کے باشندے صہیب رومیؓ کو، ان کو بھائی بنالیا اور جو اپنے خاندان اور قبیلہ کے کافر لوگ تھے، ان کی گردنیں کاٹیں اور ان کو قید کیا، معلوم ہوا کہ دنیا کے سارے مسلمانوں کی ایک برادری ہے ایک قومیت ہے اور دنیا کے تمام کافر اس برادری سے خارج ہیں۔

میری آپ سے درخواست ہے کہ خدا کے لئے محبت وپیار کے ساتھ بھائیوں کو سمجھائیں کہ کسی بھی علاقہ کا مسلمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا دعویدار ہے اور اسلام کے دائرہ کے اندر داخل ہے وہ بھائی ہے اس پر کوئی ظلم نہ ہونے دو، یاد رکھو! جو قدرت ہونے کے باوجود ظلم کو نہیں روکے گا اور کوتاہی کرے گا وہ بھی مجرم اور گنہگار ہوگا۔

ایک مرکزی ادارہ وشخصیت کی ضرورت

اگر یہ کام حیدر آباد میں ہوتا تو علماء کی طرف سے ہوتا۔ اور الحمدللہ یہاں علماء موجود ہیں، لیکن افسوس اسی کا ہوتا ہے کہ یہاں مرکزی ادارہ نہیں، مرکزی شخصیت نہیں، میری آپ سے درخواست ہے ان فتنوں کا مقابلہ کریں، یہ فتنے آج ہیں کل اور فتنے اٹھیں گے، ان فتنوں کا مقابلہ علمی طور پر علماء کو کرنا ہوتا ہے اس کے لئے یہاں ادارہ کی ضرورت ہے یہ ایک چھوٹا سا مکتب قائم ہوا ہے، اللہ کے بھروسہ پر کچھ لوگوں نے کام شروع کردیا ہے۔ بے سروسامانی میں شروع کیا ہے لیکن مسلسل محنت وکوشش سے انشاء اللہ یہ مدرسہ ترقی کر جائے گا۔

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ کچھ ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

جن لوگوں نے یہ کام شروع کیا ہے۔ آپ ان کے ساتھ لگ جایئے۔ یہ مسجد ومدرسہ کا کام ایسا ہی ہے جیسے مسجد نبوی اور صفہ کا کام تھا۔ مسجد نبوی سب سے پہلی مسجد اور صفہ سب سے پہلا مدرسہ، اسی طرح یہ مسجد ومدرسہ ہے، اللہ تعالیٰ نے دونوں کا سامان کردیا ہے میری درخواست ہے کہ اس مدرسہ کو آگے بڑھائیں۔

ستم ظریفی

آج کل ایک افتاد یہ ہے کہ اوّل تو عام لوگوں کو ان مدرستوں کی طرف دھیان کم ہوتا ہے اور جن حضرات کو ان مدرسوں کی امداد کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ وہ بھی صرف مالی چندہ دے کر فارغ ہوجاتے ہیں، اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں تعلیم نہیں دلواتے، بلکہ انتظار کرتے ہیں کہ ان مدرسوں میں پڑھنے کے لئے طلبہ کسی اور

شہر یا ملک سے آجائیں۔ اپنے بچوں کو دین کی تعلیم نہیں دلواتے الا ماشاء اللہ۔

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے بچے کو دینی تعلیم میں لگایا تو کمائے گا کیا؟ کھائے گا کیا؟ والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے اخبارات میں ایسی خبر تو بہت ساری پڑھی ہیں کہ فلاں گریجویٹ نے بے روزگاری سے تنگ آکر خودکشی کرلی۔ آپ نے بھی بہت ساری خبریں پڑھی ہوں گی، آپ نے یہ خبر بھی سنی ہے کہ فلاں مولوی صاحب نے بے روزگاری سے تنگ آکر خودکشی کرلی ہے۔ یہ خبر آپ نے کبھی نہیں سنی ہوگی۔ اور میں نے بھی نہیں سنی، حضرت والد صاحبؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ "مَن کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ" جو اللہ کا ہوجاتا ہے اللہ اس کا ہوجاتا ہے، اللہ کے بھروسہ پر اپنی اولاد کو علم دین میں لگائیے، یہ کافی نہیں کہ اپنے بچوں کو اسکول اور کالج میں پڑھائیں اور دوسروں کے بچوں کو یہاں پڑھائیں اسکول اور کالج میں پڑھانا کوئی گناہ نہیں ہے، ہمارے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو لڑکے دیئے ہیں تو اُن میں سے ایک کو تو علم دین کے لئے لاؤ۔

بچوں کا چندہ

لیکن اب ہوتا کیا ہے؟ کہ ''مری بھیڑ اللہ کے نام'' میں ایک جگہ جمعہ کی نماز پڑھاتا تھا، بہت عرصہ تک جمعہ کی نماز پڑھاتا رہا، اور نماز سے پہلے وعظ کرتا تھا کئی سال گذرنے کے بعد میں نے کہا کہ بھئی سنو، لوگ کہتے ہیں کہ مولوی جہاں بھی جاتا ہے چندہ کرتا ہے، میں نے کہا اتنے سال سے تمہارے یہاں جمعہ کی نماز پڑھا رہا ہوں، میں نے کبھی کوئی چندہ مانگا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ کبھی نہیں اشارۃً بھی نہیں مانگا، میں نے کہا آج میں آپ سے چندہ مانگوں گا اور وہ چندہ ایسا ہے کہ کسی نے

آپ کے محلہ میں نہیں مانگا ہوگا وہ چندہ ہے بچوں کا اور میں نے یہی بات کہی کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو دو بچے دیئے ہیں ان میں سے ایک کو علم دین میں لگادیں۔

سننے والوں پر تقریر کا بڑا اثر معلوم ہوا، چنانچہ اگلے دن ایک صاحب اپنے ایک بچہ کو لے کر کورنگی۔ (دارالعلوم کراچی) پہنچے، بڑے مالدار اور لاکھوں کا کاروبار کرنے والے تھے، انہوں نے کہا کہ آپ کی تقریر میں کل میں بھی تھا، اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں جذبہ پیدا کیا، میں اس بچہ کو لایا ہوں اور یہ آپ کے سپرد ہے، تقریباً چھ سال کا بچہ تھا۔ ہم نے کہا کہ اس کا امتحان داخلہ ہوگا، انہوں نے کہا، نہیں نہیں، بس اس کو داخل کریں، اس کی رہائش وطعام کا انتظام بھی کریں اور اس کو علم دین پڑھائیں، میں آپ سے نہیں پوچھوں گا کہ آپ نے کیا پڑھایا ہے اور کیا نہیں پڑھایا ہے۔ مجھے آپ پر اطمینان ہے اور جو کچھ خرچہ ہوگا میں دوں گا اور کچھ پیسے بھی کھانے پینے اور کپڑوں کی دھلائی وغیرہ کے لئے جمع کراگئے۔ اتنے چھوٹے بچہ کو دارالعلوم میں رکھنے کا باقاعدہ انتظام نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے مجبوراً اسے اپنے گھر رکھ لیا۔ دو تین دن اس کے ساتھ محنت کی، کبھی بستر پر پیشاب کردیتا ہے کبھی پاخانہ کردیتا ہے، کبھی کوئی چیز اٹھا کر توڑ دی، کبھی کوئی، تین چار دن کے بعد معلوم ہوا کہ وہ تو پاگل ہے پھر بعد میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس بچہ کے تو ماں باپ بھی اس سے عاجز آئے ہوئے تھے اور اس کو گدو بندر کے پاگل خانہ میں لیجانا طے ہوا تھا۔ ان سے یہ برداشت نہیں ہوتا تھا کہ پاگل خانہ میں داخل کرائیں، اس لئے دارالعلوم میں داخل کرادیا۔

یہ تھی وہ ''مری بھیڑ اللہ کے نام کی'' جو علم دین کیلئے نکالی گئی۔ یہ خدا کا دین ہے۔ مذاق نہیں ہے، آخرت میں جواب دینا ہے، زندگی کا ہر قدم ہمیں قبر کی طرف لیجارہا ہے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنا منہ دکھانا ہے، وہاں ان کی

شفاعت اور سفارش کے بغیر کسی کی نجات نہیں ہوگی ہم نے اسلام کا نام بہت لیا ہے، خدا کیلئے قدم بڑھایئے، اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں داخل کیجئے آپ اپنے بچوں کو دینی مدرسہ میں داخل کریں گے تو آپ کو یہ فکر بھی ہوگی کہ مدرسہ کا معیار بھی بہتر اس طرح انشاء اللہ مدرسوں کا معیار بھی بہتر ہوگا۔

مدرسہ اور احسان

ایک مصیبت اور ہے کہ اوّل تو مدرسہ میں چندہ دینے میں ہچکچاہٹ بہت ہوتی ہے اور اگر چندہ دیتے ہیں تو چندہ دینے والے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مہتمم صاحب کی ذات پر احسان کردیا ہے مہتمم پر کیا احسان ہے؟ بلکہ مہتمم کا تمہارے اوپر احسان ہے کہ تمہارے چندہ کو اس نے صحیح مصرف پر لگادیا، اگر یہ مدرسہ نہ ہوتا تو اپنی زکوٰۃ وخیرات کے صحیح مصرف تلاش کرتے پھرتے۔

مدرسوں کا معاملہ آجکل اتنا مشکل ہوگیا ہے کہ واقعۃً جب کوئی اخلاص کے ساتھ مدرسہ قائم کرتا ہے تو اسے ہی پتہ چلتا ہے کہ مدرسہ چلانا کتنا مشکل کام ہے، بات لمبی ہورہی ہے۔ آپ حضرات تھک بھی گئے ہوں گے، لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ جب اتنی دور سے آیا ہوں، اپنے دل کی کچھ باتیں، آپ سے کہوں تو سہی۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک عالم تشریف لائے وہ کراچی میں ایک مدرسہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ کراچی میں پہلے سے بڑے بڑے مدرسے قائم ہوچکے تھے۔ اب یہ مزید ایک مدرسہ قائم کرنا چاہتے تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت کردیجئے۔ دعا فرمادیجئے حضرت مولانا بنوریؒ نے فرمایا دعا تو میں آپ کیلئے کروں گا اور نصیحت آپ کو کیا کروں، آپ خود عالم ہیں۔ لیکن ایک بات کہتا ہوں کہ یہ مدرسہ آخرت کے لئے قائم کرنا چاہتے ہو تو

دنیا کی اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں، اور اگر دنیا کے لئے قائم کرنا چاہتے ہوتو آخرت کی اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں، کتنے لوگوں کا چندہ ہوتا، اگر وہ ناجائز طریقہ سے خرچ کردیا تو آخرت میں اس کی جوابدہی کرنی پڑے گی، کس کس کا جواب دوگے؟

جو خلوص کے ساتھ مدرسہ چلانا چاہتا ہے، اس کو ایک مصیبت نہیں اٹھانی پڑتی بہت سی اٹھانی پڑتی ہیں، اوّل چندہ جمع کیا پھر کسی نہ کسی طریقے سے مدرسہ کی تعمیر ہوئی، ایک ایک پیسہ جوڑا، کام کیا، کہیں سے مدرس کو لایا، کہیں سے طالب علموں کو لایا، کہیں سے تعمیر کا انتظام کیا، تب جاکر مدرسہ چلا۔

تہمت تراشی

اور دوسرے لوگ جو کام کرنے کے عادی نہیں، بلکہ ان کی عادت یہ ہے کہ کام کرنیوالے کے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور طرح طرح کی تہمتیں لگاتے ہیں کہ مہتمم صاحب کے بڑے مزے آرہے ہیں، اتنے لاکھ فلاں کھا گیا اور اتنے ہزار فلاں نے کھالئے۔ الٹے سیدھے بہتان لگاکر مخلص اللہ والوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔

اردودانوں اور بستی والوں کی محرومی

کراچی میں بہت سے لوگ اپنے اپنے محلے کی مسجد کے لئے امام اور خطیب مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی تنخواہ دیں گے، مکان دیں گے، لیکن ایک شرط ہے کہ اس کی مادری زبان اردو ہو، کیونکہ سارا محلّہ اردو بولنے والوں کا ہے، اردو میں بات کرنیوالا ہوگا تو اس کا اثر زیادہ ہوگا۔ بات بلاشبہ درست ہے، لیکن میں ان سے کہتا

ہوں کہ تمہیں اردو زبان والا آدمی کیسے دیدوں اردو زبان بولنے والوں نے اپنے بچوں کو پڑھنے کے لئے مدرسہ میں بھیجا تھا؟ عالم دین بنایا تھا، تمہارے محلّہ میں کسی نے اپنے بچہ کو مولوی بنوایا ہے؟

دارالعلوم میں تقریباً ڈیڑھ درجن ممالک کے طلبہ پڑھ رہے ہیں اور پاکستان کے بھی تمام علاقوں کے طلبہ زیر تعلیم ہیں، لیکن سب سے کم آٹے میں نمک کے برابر اردو بولنے والے ہیں تو میں تمہیں اردو بولنے والا امام وخطیب کیسے دیدوں، خدا کے لئے آپ سوچئے، کہ اگر آپ اپنے اندر علماء تیار نہیں کریں گے تو آپ کی ساری بستیاں ویران ہو جائیں گی، پڑھ پڑھ کر علماء اپنے اپنے علاقوں میں چلے جائیں گے، مدرسہ ہونے کے باوجود آپ کی بستی علماء سے محروم رہے گی اپنے بچوں کو اس طرف متوجہ کیجئے جو حضرات مدرسہ چلا رہے ہیں ان کے ساتھ تعاون کیجئے، روپیہ پیسہ سے اگر تعاون کرسکتے ہیں اس سے کیجئے، عملی کوئی مدد کرسکتے ہیں وہ کیجئے، اور کچھ نہیں کرسکتے تو کم از کم زبان ہی سے مدد کیجئے، ان کی ہمت بڑھائیے کہ اچھا کام کررہے ہو، اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتے تو کم از کم اتنا تو کیجئے کہ ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالئے۔

اگر انسان نہ بنے تو درندہ بھی نہ بنے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان تو بہت بڑی چیز ہے، لیکن اگر کوئی جانور ہی بننا چاہے کہ کھانے پینے کے علاوہ کوئی مقصد نہ ہو تو جانوروں کی تین قسمیں ہیں کہ ایک قسم ان جانوروں کی ہے جن کا نفع ہی نفع ہے، جیسے بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، ان کی ہر چیز سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے، بالوں سے، کھال سے، گوشت سے، ہڈیوں سے، اوجھڑی سے، گوبر سے، اس کی سب چیزوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا

ہے۔

دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جو نفع نہیں پہنچاتے تو نقصان بھی نہیں پہنچاتے۔

جنگلوں اور سمندروں میں بہت سے ایسے جانور ہیں جو نہ درندے ہیں کہ نقصان پہنچائیں اور نہ نفع پہنچاتے ہیں۔

تیسری قسم کے جانور وہ درندے ہیں جو دوسروں کو نقصان ہی پہنچاتے ہیں، نفع کچھ نہیں پہنچاتے، جس کو دیکھا پھاڑ کھایا۔

امام غزالی ؒ فرماتے ہیں کہ اصل منصب تو یہ تھا کہ تم انسان بنتے، جو بہت اعلیٰ درجہ ہے علماء بنتے، اللہ والے بنتے، لیکن اگر تمہیں جانور ہی بننا ہے تو پہلی قسم کے جانور بن جاؤ، پہلی قسم کے نہیں بن سکتے تو کم از کم دوسری قسم کے تو بن جاؤ، لیکن تم تو تیسری قسم کے جانور بننا چاہتے ہو، درندہ بننا چاہتے ہو۔

مدرسے سے تعاون کی اپیل

خیر خلاصہ یہ ہے کہ یہ چھوٹا سا مدرسہ بہت سی امیدوں کیساتھ اللہ والوں نے قائم کیا ہوا ہے آپ حضرات سے درخواست ہے بلکہ یہ آپ کے فرائض میں داخل ہے کہ حیدرآباد میں ایک معیاری مدرسہ جو اس شہر کی دینی ضروریات کو پورا کر سکے ہونا چاہیے، اور یہاں کے لوگوں کو اس کے لئے کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم دین کی خدمت کی توفیق کامل عطا فرمائے۔ اور جو لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں ان کے ساتھ تعاون کی توفیق عطا فرمائے۔

رحمت للّعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

خاتم النبیین سیدنا احمد مصطفےٰ محمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی بھیجی ہے کہ آپس میں تواضع اختیار کرو کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے۔ (مسلم شریف)

(۲) سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

(۳) حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عصبیت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرو۔ (ابوداؤد)

(۴) حضرت فسیلہؒ فرماتی ہیں کہ میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ کیا عصبیت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آدمی اپنی قوم سے محبت کرے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں! لیکن یہ عصبیت ہے کہ آدمی ظلم کے معاملہ میں اپنی قوم کی مدد کرے۔ (مسند احمد۔ ابن ماجہ)

(۵) جو آدمی اپنی قوم کی ناحق مدد کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے اُونٹ کنوئیں میں گر جائے اور اس کی دم کھینچ کر نکالنے کی کوشش کی جائے۔ (ابوداؤد)

(۶) وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی طرف لوگوں کو بلائے، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت پر لڑے اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں ہے جس کی موت عصبیت پر آئے۔ (ابوداؤد)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

تغیّر پذیر حالات میں
اِجتماعی اجتہاد کی ضرورت

موضوع تغیر پذیر حالات میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت
مقرر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط و ترتیب مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام محمد ناظم اشرف

تغیر پذیر حالات میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت

جدید فقہی مسائل پر اجتماعی غور وخوض کی ضرورت:

خطبہ مسنونہ کے بعد!

اس اجتماع کا جو سب سے بڑا فائدہ ہے وہ یہ ہے کہ یہاں قدیم اور جدید علوم کے ماہرین کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس زمانہ میں سیاسی، تمدنی، اقتصادی، طبی وغیرہ مسائل اتنے پھیل گئے اور اتنے گوناگوں ہوگئے ہیں کہ ان کے متعلق قرآن وسنت کی روشنی میں احکام شرعیہ کو مرتب اور مستنبط کرنا صرف اسی شخص کے بس کا کام ہوسکتا تھا، جو مجتہد مطلق کہلانے کا اہل ہوتا۔لیکن مجتہد مطلق کا جو مقام ہے جو شرائط ہیں آپ حضرات جانتے ہیں ان کے پیش نظر آج دور دور تک کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو اجتہاد مطلق کا دعویٰ کرسکے، لیکن حالات سیاسی میدان میں، اقتصادی میدان میں، معاشرتی میدان میں اور مختلف شعبہ ہائے حیات میں اتنی تیزی سے بدل رہے ہیں، اور اتنے بڑے پیمانے پر ان میں تبدیلی رونما ہورہی ہے کہ نت نئے فقہی مسائل پیدا ہورہے ہیں جن میں امت کی رہنمائی کا فریضہ بہرحال علماء امت

ہی پر عائد ہوتا ہے۔

صورت حال یہ ہے کہ قرآن کو جو کچھ بیان کرنا تھا، وہ بیان کر چکا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بعثت کے بعد تیئس سالہ زندگی میں قرآن کریم کی جو تشریح فرمانی تھی وہ فرمادی، اسلاف امت نے ان دونوں چیزوں کی حفاظت کی، نظم قرآن کی بھی اور معانی قرآن کی بھی۔

ہمارا دعویٰ اور عقیدہ ہے کہ اب کوئی نئی شریعت آنے والی نہیں ہے، کسی اور نبی کے آنے کا امکان نہیں ہے، اللہ نے اپنے دین کی تکمیل کردی اور اللہ نے ہمیں ایسی امت بنایا جو آخری امت ہے اور قیامت تک تمام مسائل کا سامنا اسی امت کو کرنا ہے، ان حالات میں جب کہ تبدیلیاں تو معاشرہ میں اتنی تیزی سے آرہی ہیں اتنے بڑے پیمانے پر آرہی ہیں کہ ہمارا فقہی ذخیرہ جس میں بلاشبہ ان تمام چیزوں کا حل اصولی طور پر ضرور موجود ہے مگر جزوی طور پر اور جزئیات کی صورت میں وہ پوری طرح کفالت نہیں کررہا ہے۔

علماء امت کی ذمہ داری:

زندگی رواں دواں ہے، زندگی کا یہ قافلہ کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ یہ مسائل جو روز بروز پیدا ہورہے ہیں ان کے بارے میں امت مسلمہ کی نظریں علماء امت ہی کی طرف اٹھ رہی ہیں، اقتصادی میدان میں آپ کیا کہتے ہیں؟ طبی مسائل جو پیدا ہورہے ہیں، ان میں آپ کی رہنمائی کیا ہے؟ معاشرت اور سیاست کے میدان میں جونت نئے نظریات، مسائل اور رسوم جڑیں پکڑ رہے ہیں ان میں اسلام کی ہدایت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں نظریں علماء کرام ہی کی طرف اٹھ رہی ہیں، اور اس کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی اس مسؤلیت کو پورا کرنے کے لئے وہ جدوجہد اختیار کریں جو ہمارے

اسلاف کا وطیرہ رہی ہے، کیونکہ ابھی امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کا قول آپ سن چکے ہیں کہ ''اگر محمد بھی سوگیا تو یہ پوچھنے والے کس سے پوچھیں گے۔'' جو ذمہ داری اس وقت ائمہ مجتہدین پر اور ایک ایک امام پر آرہی تھی اب جب کوئی شخص ان کی جگہ لینے والا نہیں ہے تو ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ وہ ذمہ داری جو امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے کندھوں پر تھی آج بھی ہم میں سے کسی ایک کے کندھے پر تو نہیں، لیکن ہمارے مجموعہ کے اوپر یہ ذمہ داری موجود ہے جس کا تقاضا ہے کہ تحقیق مسائل کیلئے راتوں کو جاگا کریں ''مَن طَلَبَ العُلی سَہِرَ اللَّیَالی''۔

مجھے والد محترم کا بیان کردہ ایک واقعہ یاد آرہا ہے وہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے تھے، علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ جب مرض الموت میں تھے، ہر وقت یہ خطرہ تھا کہ کسی وقت بھی وفات کی خبر آجائے گی۔ ایک رات تہجد کے وقت دیو بند میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ علامہ کشمیریؒ کی وفات ہوگئی ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت بیتاب ہوکر جلد محلّہ خانقاہ کی طرف حضرت کو دیکھنے کیلئے چلا، حضرتؒ کے کمرہ پر پہنچا تو دیکھا کہ لالٹین جل رہی ہے۔ اس زمانہ میں بجلی نہیں تھی۔ اجازت لیکر حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب دو زانو بیٹھے ہیں، کتاب ''شامی'' ہاتھ میں لئے لالٹین پر جھکے ہوئے ''شامی'' کے مطالعہ میں غرق ہیں، بہت سخت علالت اور ضعف کا زمانہ تھا، حضرت علامہ شبیر احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بطور شکایت عرض کیا کہ:۔

> ''حضرت ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ کہ شامی میں کونسا ایسا مسئلہ ہے جس کو آپ نے پہلے نہ دیکھا ہو، اور جو آپ کا دیکھا ہوا ہوتا ہے، وہ آپ کو یاد بھی ہوتا ہے اور اگر کوئی مسئلہ

ایسا تھا کہ جو آپ نے دیکھا نہیں تھا اور آپ کو یاد بھی نہیں تھا...... تو ہم آپ کے غلام کہاں مرگئے تھے، ہم میں سے کسی کو حکم دیتے وہ مسئلہ نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کردیتا، اس تکلیف میں آپ اتنی مشقت اٹھا رہے ہیں۔"

علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ مجھے دیکھنے لگے اور فرمایا کہ "بھئی! یہ بھی ایک بیماری ہے" تو حضرت! اگر تحقیق وجستجو اور مطالعہ کی عادت ایک بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ یہ بیماری ہم سب کو لگادے، سچی بات یہ ہے کہ ہماری یہ بیماری چھوٹ گئی اور ہم صحت یاب ہوگئے یہ سارا زوال اسی کی نحوست سے ہے، یہ بیماری ہمارے بزرگوں کو تھی راتوں کو جاگ کر انہوں نے امت مسلمہ کی رہنمائی کی ہے، دوستوں اور بزرگو! بہت بھاری ذمہ داری ہم پر ہے۔

جزوی مسائل میں جزوی اجتہاد:

اب وقت نہیں رہا کہ صدیوں سال پہلے ہمارے اسلاف نے بہت عرق ریزی کے ساتھ جو کتابیں اور فتاویٰ مرتب کئے تھے محض ان کو دیکھ کر اور گردوپیش سے آنکھ بند کرکے فتویٰ دیتے چلے جائیں...... کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ بہت سے مسائل عرف، مقام اور حالات زمانہ پر مبنی ہوتے ہیں...... والد صاحبؒ بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ فقہاء کرام کا مشہور قاعدہ ہے:

"مَن لَّم یَعرِف اَھلَ زَمَانِہ فَھُوَ جَاھِل" حالات زمانہ پر جب تک نظر نہ ہو امت کی رہنمائی نہیں کی جاسکتی، فتویٰ اور تفقہ کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ ان حالات میں ہماری ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ قویٰ میں انحطاط ہے۔ حالات میں ناسازگاری ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے حالات میں گرفتار ہے، علمی صلاحیتیں بھی دن بدن کم ہوتی

جارہی ہیں۔ دوسری طرف مسائل بڑھتے جارہے ہیں اور نئے نئے علوم سامنے آرہے ہیں، ان حالات میں اس کے بغیر چارہ کارنہیں ہے کہ جزوی مسائل میں جزوی اجتہاد کے راستے کو رواں دواں رکھا جائے، جزوی مسائل میں اجتہاد فی المسائل میں ہمارے تمام فقہاء اور اکابر الحمدللہ بڑے بڑے کارنامے چھوڑ گئے ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''امداد الفتاویٰ'' ایک ایسی چیز ہے جو ان کے اجتہادی کارناموں کا واضح ثبوت ہے اور ساتھ ہی حسین یادگار بھی ہے۔

کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہے؟:

یہ تصور ہمارے بہت سے حلقوں میں اب بھی موجود ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا، آج بھی بند نہیں ہے اور آئندہ بھی بند نہیں ہوگا، ہاں اس دروازے میں داخل ہونے کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ اس زمانہ میں وہ شرائط افراد میں موجود نہیں رہے، اسی واسطے سمجھا جارہا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا، بھلا قرآن وسنت کا کبھی دروازہ بند ہوگا؟ ہمارے اکابر نئے مسائل میں مسلسل اجتہاد کرتے رہے ہیں۔ ''امداد الفتاویٰ'' کو اٹھا کر آپ دیکھیں خاص طور سے کتاب البیوع اور معاملات کے جو مسائل ہیں۔ ان کے اندر اجتہاد فی المسائل آپ کو جگہ جگہ ملے گا، ان میں صرف یہی کام نہیں کیا گیا کہ یہ بتادیا جائے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے، میں نے اپنے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بار بار سنا وہ ہمیں تلقین فرمایا کرتے تھے کہ ''معاملات بیوع وشراء سے متعلق، لین دین سے متعلق جب مسائل آئیں تو مفتی کے لئے یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ یہ معاملہ ناجائز ہے، بلکہ وہ یہ بھی بتلائے کہ جائز راستہ کیا ہے؟ یہ بتانا بھی مفتی کی ذمہ داری ہے ورنہ خطرہ ہے کہ بہت سے لوگ دین سے مایوس ہوکر اس طرح مرتد

ہو جائیں گے کہ ان کو بھی خبر نہیں ہوگی کہ وہ مرتد ہو گئے ہیں۔''

جدید مسائل کے حل میں فقہاء امت اور علوم جدیدہ کے ماہرین میں تعاون کی ضرورت:

ان حالات میں کسی ایک فرد کے بس کا کام یہ نہیں رہا کہ وہ اجتہاد فی المسائل کسی خاص میدان میں تنہا کر سکے، مثلاً معاملات ہی کے باب میں اجتہاد فی المسائل تنہا کوئی شخص کر سکے، اور سارے مسائل کو حل کر دے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حالات زمانہ نے اور پچھلے دو سو سال کے سیاسی حالات نے جدید وقدیم علوم کے درمیان ایسی خلیج حائل کر دی کہ جن مسائل کا ہمیں حکم معلوم کرنا ہے ان مسائل کی صحیح صورت حال ہمیں نہیں معلوم اور جن حضرات کے سامنے صورت مسئلہ ہے انہیں جواب معلوم کرنے کا راستہ نہیں معلوم۔

میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اسلامک فقہ اکیڈمی کے کارکنان حضرات کو خاص طور سے جناب مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کو کہ انہوں نے اس مشکل مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اسلامی فقہ اکیڈمی قائم کی، جس کے اندر انہوں نے قدیم وجدید دونوں کو ملا دیا اور اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی ہے جو برسوں سے ہمارے درمیان حائل چلی آ رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان مسائل میں جتنی احتیاج علماء اور فقہاء او رمفتی صاحبان کی ہے کم وبیش اس کے قریب قریب ہی احتیاج ہمیں ان جدید علوم کے ماہرین کی ہے جن علوم کے بارے میں ہم شرعی احکام کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جدید علوم کے ماہرین سے ہمیں صورت حال معلوم ہوگی یعنی صورت مسئلہ یہ بتائیں گے اور جواب آپ دیں گے۔ اور صورت مسئلہ معین کرنا بھی آسان

کام نہیں ہوتا کیونکہ مشہور مقولہ ہے کہ ''السوال نصف العلم'' تو نصف العلم جدید علم کے ماہرین سے حاصل ہوگا اور باقی نصف العلم فقہاء کرام سے، مجھے امید ہے کہ یہ اکیڈمی اس سلسلہ میں موثر کردار ادا کرے گی، اور اجتماعی اجتہاد کا میدان ہموار کرے گی۔

اجتماعی اجتہاد وقیاس کی نظیریں:

یہ اجتماعی اجتہاد وقیاس اس امت میں نئی چیز نہیں ہے غور کیا جائے تو پورے تسلسل کے ساتھ اس کی نظیریں ہمیں پچھلے چودہ سو سال کے اندر ملتی ہیں اور خود عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ملتی ہیں، اساریٰ بدر (بدر کے قیدیوں) کے واقعہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا یہ معاملہ کیا جائے؟ حضرات علماء کرام کو معلوم ہے کہ مشورہ کے بعد فیصلہ ہوا، اس میں خطا ہوئی اور اس پر عتاب بھی ہوا، یہ اجتماعی اجتہاد تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایسی ایک مجلس بنائی تھی، ایسی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں کہ جو بھی نئے مسائل امت کو پیش آتے، خلفائے راشدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ان سے دریافت کرتے کہ آپ نے کوئی حدیث اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو تو بتائیں، اگر حدیث مل جاتی تو فیصلہ ہو جاتا ورنہ اجتہاد وقیاس سے فیصلہ کیا جاتا تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شاگردوں کے ساتھ بحث ومذاکرہ کا سلسلہ قائم فرمایا اور تقریباً چالیس عظیم المرتبت تلامذہ کے ساتھ اجتماعی اجتہاد وقیاس کا سلسلہ جاری رکھا۔ عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ عالمگیریہ مرتب کرنے کیلئے علماء کو جمع کیا، اس زمانہ میں حالات بدلے ہوئے تھے، نئے مسائل پیدا ہوتے تھے، انہیں حل کرنے کی ضرورت تھی اس لئے فتاویٰ عالمگیر یہ مرتب ہوا۔ اس زمانہ کے فقہاء کی جلیل القدر جماعت مقرر کی گئی ''مجلۃ الا حکام

العدلیہ'' خلافت عثمانیہ ترکی میں مرتب ہوا، یہ بھی علماء کرام ہی کی ایک عظیم جماعت نے مرتب کیا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے ستم رسیدہ عورتوں کی مشکلات کا فقہی حل تلاش کرنے کے لئے متعدد حضرات کو ''الحیلۃ الناجزہ'' کی ترتیب کے لئے مقرر فرمایا، میرے والد ماجدؒ اور مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ اس میں شامل تھے اس میں کئی مسائل میں فقہ مالکی پر فتویٰ دیا گیا ہے، لیکن اس فتویٰ کو شائع نہیں کیا جب تک کہ ہندوستان کے تمام ارباب افتاء سے مراجعت نہیں ہوگئی، اور اصحاب افتاء کی آراء اور تنقیدیں حاصل نہیں ہوگئیں۔ حرمین شریفین کے فقہاء سے خط وکتابت ہوئی، ان تمام مراحل کے بعد اس کو کتابی شکل میں شائع کرایا۔

اجتماعی مسائل میں انفرادی فتاویٰ سے احتراز:

میرے والد محترمؒ فرماتے تھے، ایسے اجتماعی مسائل جو پوری امت کو درپیش ہیں یا ملک کے تمام مسلمانوں کو درپیش ہیں ان میں انفرادی فتاویٰ نہ دیئے جائیں ان میں باہمی مشورہ نہایت ضروری ہے۔ اور تمام بزرگوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔ چنانچہ پاکستان میں بھی حضرت والد ماجدؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے ایک مجلس قائم کررکھی تھی جو آج بھی ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کے نام سے موجود ہے۔ اس مجلس کی طرف سے کئی رسائل شائع ہوئے، ایک ایک مسئلہ پر بعض اوقات دو دو سال تک تحقیق ہوتی رہی۔

اپنے خیالات پر تنقید سننے میں وسیع الظرفی:

میں عرض کروں گا کہ اپنے بزرگوں نے ہمیں یہ طریقہ بھی بتلایا ہے کہ

مسائل کی تحقیق اور اپنے خیالات پر تنقید سننے کے معاملہ میں کتنا وسیع الظرف ہونا چاہئے ، میں اور میرے بھائی مولانا محمد تقی عثمانی اس زمانہ میں جب یہ مجلس اعضاء انسانی کی پیوند کاری کے مسئلہ پر، اور پراویڈنٹ فنڈ (P.F.) اور دوسرے مسائل پر تحقیق کررہی تھی، درجہ تخصص فی الافتاء میں زیر تربیت تھے۔آپ جانتے ہیں وہ آدمی جو ابھی درس نظامی سے فارغ ہوا ہواور درجہ تخصص فی الافتاء میں تربیت حاصل کررہا ہو اس جیسی مجلس میں وہ کیا مشورے دے سکتا ہے، کیا مدد پہنچا سکتا ہے،لیکن ہم دونوں بھائیوں کو اور تخصص فی الافتاء کے دیگر طلبہ کو اس مجلس میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علماء کے ساتھ حکماً بٹھاتے اور ہم سب کو بحث وتحقیق میں شریک کرتے تھے، اس میں انہوں نے ہمیں اتنا جری بنادیا تھا کہ جہاں مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد یوسف بنوری جیسے جلیل القدر علماء گفتگو کررہے ہوں، مسائل پر اجتہادی بحث کررہے ہیں وہاں ہم لوگ صبح سے شام تک نہ جانے کتنی باران کی بات پر اعتراض کرتے، اور ان سے سوالات کرتے تھے۔ ان دونوں حضرات کو میں نے دیکھا کہ ہماری طالب علمانہ آراء کو وہ ایسے ہمہ تن گوش ہوکر سنتے تھے جیسے کسی پیاسے کے سامنے پانی آگیا ہو، ظاہر ہے کہ اس کی یہ وجہ نہیں کہ ہمارے پاس دلائل وزنی تھے، بلکہ وہ ہماری تربیت کررہے تھے، ہمیں یہ بتلارہے تھے کہ فقہی مسائل میں جہاں یہ ضروری ہے کہ ہم پورا پورا وقت دیں اور صلاحیتیں صرف کریں یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ دوسروں کے نکتہء نظر کو پوری توجہ اور حق پسندی کے ساتھ سنیں، اس کے بغیر کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ ہم انشاء اللہ اسی جذبہ کے ساتھ اس سیمینار کے تمام مباحث میں حصہ لیں گے۔ ہرایک کی بات اسی توجہ کے ساتھ سنیں گے جیسے کوئی طالب علم اپنے استاد کی بات سنتا ہے، اس سے لوگ بہت سارے نتائج تک پہنچ سکیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انشاء اللہ مدد ہوگی۔

ہمارے بزرگوں کا ایک خاص امتیاز:

ہمارے بزرگوں کا ایک طغریٰ امتیاز ہے بلکہ پوری امت کے علماء اہل سنت والجماعت فقہاء کا یہ طغری امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے اپنی بات کی پچ نہیں کی، یہ حضرات علمی غرور انا اور بات کی پچ سے بہت دور تھے۔ ہمارے فقہاء کرام اور اپنے تمام بزرگ، اور جن بزرگوں کو ہم نے دیکھا اور جن کی جوتیاں سیدھی کیں ان کو بھی ہم نے اسی اعلیٰ ظرفی کا حامل پایا کہ ایک ادنیٰ طالب علم ان کی کسی بات پر کوئی اعتراض کردے تو نہ صرف یہ کہ اس کو توجہ کے ساتھ سنتے تھے، بلکہ اگر سمجھ میں آجائے تو فوراً قبول فرمالیتے تھے اور اپنی بات سے رجوع بھی کرلیتے تھے۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب علیہ الرحمہ نے ''امداد الفتاویٰ'' میں حوادث الفتاویٰ کے ساتھ ساتھ ترجیح الراجح کا بھی ایک سلسلہ شروع کررکھا تھا، چنانچہ اگر کسی عالم نے کسی مسئلہ میں ان کی کسی غلطی کی طرف توجہ دلائی اور حضرت کی رائے تبدیل ہوگئی تو صرف یہی نہیں کہ ان کو خط لکھ دیا کہ میں نے رجوع کرلیا ہے، بلکہ اس کو'' ترجیح الراجح'' میں شائع کیا جاتا تھا کہ میں نے پہلے اس مسئلہ کا جواب یہ لکھ دیا تھا، فلاں صاحب کے توجہ دلانے یا بعض حضرات کے توجہ دلانے سے اب میری رائے یوں ہوگئی ہے اور میں پچھلے قول سے رجوع کرتا ہوں، اب میرا فتویٰ یہ ہے۔......... اس میں کبھی ان حضرات نے نہ کوئی شرم محسوس کی اور نہ ہی کسی دوسرے نے ان کے درجہ میں کمی محسوس کی، بلکہ ان کے اس اعتراف نے ان کی عظمت میں اضافہ کیا ہے۔ ہمارے والد ماجدؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ امداد المفتیین کے نام سے شائع ہوا(جو دراصل اس کا تھوڑا سا حصہ ہے اگر مکمل شائع ہوجائے تو بیس پچیس جلدیں ہوں گی) اس میں بھی حضرت نے ایک مستقل باب قائم کیا تھا۔''

اختیار الصواب لمختلف الابواب'' اگر کسی مسئلہ میں ان کی رائے تبدیل ہوجاتی تو رجوع فرماکر اس باب میں شائع فرمادیتے تھے۔ اس بات کو میں اس لئے بیان کررہا ہوں کہ اس زمانہ میں ہمارے بزرگوں کی یہ سنت مردہ ہوتی جارہی ہے۔ کسی ایک مفتی کے قلم سے کوئی جملہ لکھا گیا تو اب یہ بہت کم رہ گیا ہے کہ توجہ دلانے اور خطا ظاہر ہونے پر رجوع کرلیں۔ اب بھی الحمدللہ ایسے حضرات علماء حق موجود ہیں جن کے سامنے اگر دلائل ان کے معارض آجائیں تو رجوع بھی کرنے میں ان کو تامل نہ ہوگا، لیکن اب ایسے حضرات بہت شاذ و نادر ہیں، ورنہ ہر ایک اس کوشش میں رہتا ہے کہ میرے قلم سے جو بات نکلی ہے، اس کو منوایا جائے۔

اعضاء انسانی کی پیوند کاری:

ہم نے اپنے بزرگوں کو الحمدللہ دیکھا ہے اور ان سے سیکھا ہے، اعضاء انسانی کی پیوند کاری کے مسئلہ میں مجلس تحقیق مسائل حاضرہ میں تقریباً دو سال تک بحث ہوتی رہی ہے، بے شمار سوالات آئے ہوئے تھے، ان سب کو روکا گیا تھا اور پوچھنے والوں کو لکھ دیا گیا تھا کہ اس مسئلہ پر تحقیق ہورہی ہے، وقت لگے گا، جب تحقیق ہوجائے گی تو آپ کو جواب دیا جائے گا۔ سوال یہ تھا کہ ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایک انسان کا عضو تناسل کاٹ کر دوسرے انسان کو لگانا اگر ممکن ہوجائے تو اس کا کیا اثر پڑے گا، ثبوت نسب سمیت حلال وحرام کے بہت سارے مسائل پیدا ہوں گے، اس بناء پر سوالات کی تحقیق شروع ہوئی اور جواب لکھا گیا، اس جواب کا حاصل یہ تھا کہ انسانی اعضاء سے پیوند کاری تو جائز نہیں، البتہ ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے بدن میں داخل کرنا حالت ضرورت میں جائز ہے، فروخت کرنا جائز نہیں، کوئی شخص اگر پیسوں کے بغیر

نہیں دیتا تو قیمت دینے والا اگر مجبور ہے تو گنہگار نہیں ہوگا، قیمت لینے والا گنہگار ہوگا، یہ حاصل تھا اس جواب کا .... حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات کے بعد اعضاء انسانی کے متعلق عالم اسلام کے دیگر دار الافتاؤں سے کچھ فتاویٰ جاری ہوئے جو ہماری نظروں سے گذرے اور بھی کچھ حضرات علماء کرام نے اس سلسلے میں جو کام کیا تھا اس میں کچھ نئے دلائل ایسے مسائل آئے جن سے اس بات کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس ہو رہی ہے کہ اس مسئلہ پر از سر نو غور کیا جائے بہت ممکن ہے کہ جو فتویٰ عدم جواز کا دیا گیا تھا اور پاکستان میں شائع ہوا تھا ان دلائل پر غور و مشورے کے بعد اس فتویٰ سے رجوع کیا جائے۔ اس فتویٰ پر دستخط کرنے والے جو حضرات موجود ہیں وہ رجوع کرلیں گے اور جو حضرات اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں ہمیں امید ہے کہ ان کی روحوں کو اس سے تسکین ہوگی۔

معروضات کا خلاصہ:

میری معروضات کا خلاصہ دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ اپنی بات کی پچ اور اپنی بات کو ہر قیمت پر منوانے کی کوشش، یہ ہر تحقیق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس سے بہرحال بچنا چاہئے اور دوسرے یہ کہ اجتماعی مسائل میں باہمی مشورہ کے بغیر انفرادی فتاویٰ جاری کرنے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہئے اجتماعی اجتہاد وقیاس کا جو کام اسلامی فقہ اکیڈمی نے اپنے سر لیا ہے، وہ عظیم کام ہے، مشکل ہے، کٹھن ہے، لیکن وقت کی سب سے بڑی پکار ہے۔

جدید فقہی مسائل کے بارے میں علماء پاکستان کی کوششیں:

پاکستان میں بھی الحمدللہ اس سلسلہ میں خاصی پیش رفت اور خاصا کام ہوا

ہے، چونکہ مجھ سے خاص طور پر فرمائش کی گئی ہے کہ اس سلسلہ میں بھی کچھ عرض کروں، اس لئے چند منٹ اس موضوع پر بھی لوں گا۔ نجی طور پر تو وہاں بھی اسی طرح کام چل رہا تھا جیسا کہ یہاں ہندوستان میں بھی الحمدللہ جگہ جگہ ہو رہا ہے، پاکستان میں بھی بعض علماء کرام نے مجالس قائم کی ہیں جیسے ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' لیکن بڑے پیمانے پر کام کی ضرورت تھی جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء، علماء دیو بند، علماء بریلی، اہل حدیث، سب حضرات جمع ہوں اور ان مسائل کا حل تلاش کریں، اس سلسلہ میں سرکاری سطح پر افسوس ہے کہ ۱۹۷۷ء سے پہلے کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہوئی۔ ۱۹۷۷ء میں پاکستان مین ایسے حالات پیش آئے کہ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب مرحوم کو زمامِ اقتدار سنبھالنی پڑی، جب وہ آئے تو ہم سب لرزہ براندام تھے کہ ایک فوجی جنرل آ گیا ہے، پتہ نہیں کس مزاج و مذاق کا انسان ہوگا، کس راستہ پر چلے گا، لیکن جب اس کو قریب سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ الحمدللہ یہ علماء کرام اور بزرگوں کا عقیدت مند ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے انہیں خاص عقیدت تھی۔ ان کے بہنوئی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھے۔ انہوں نے الحمدللہ کئی بڑے کام کئے جن میں سے صرف بعض کا تذکرہ مختصر وقت میں کرسکوں گا۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی خدمات:

ایک ''اسلامی نظریاتی کونسل'' جو دستور کی رو سے پہلے سے ضروری تھے اور پہلے سے موجود تھی، لیکن اس میں علماء کو نہیں رکھا گیا تھا، اس میں انہوں نے یہ کیا کہ اچھے اچھے ماہر علماء کو اسلامی نظریاتی کونسل میں شامل کیا۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری حضرت مولانا شمس الحق افغانی، مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اور بڑے بڑے علماء

کرام کو اس میں شامل کیا اور ان سے کہہ دیا کہ اس کام میں جن وسائل کی ضرورت ہوگی وہ سب آپ کو فراہم کئے جائیں گے پس جو کام آپ حضرات اسلامی فقہ اکیڈمی سے کر رہے ہیں الحمدللہ وہ اسلامی نظریاتی کونسل نے کئی سال بڑی تیز رفتاری کے ساتھ کیا، اور جو مسائل درپیش تھے ان کو حل کیا لیکن ان کا کام زیادہ تر قانون سازی سے متعلق تھا کہ ان میں کیا کیا تبدیلیاں لائی جائیں، اگرچہ وہ بھی بہت بڑا کام تھا، کونسل کے ذمہ داروں سے جنرل ضیاء الحق صاحب نے کہا کہ آپ لوگ بینکنگ کو بلکہ پورے مالیاتی نظام کو سود سے پاک کرنے کے لئے تجاویز دیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک پینل مقرر کیا، جس میں متبحر علماء بھی تھے بینکنگ کے ماہرین بھی اور جدید اقتصادیات کے ماہرین بھی۔ پینل نے شب وروز محنت کرکے اسلامی بینک کاری اور بلاسود بینک کاری پر ایک مفصل اور جامع رپورٹ تیار کی، یہ تو آپ حضرات کو معلوم ہوگا الحمدللہ پورے عالم اسلام میں بلکہ صرف مسلم ممالک ہی میں نہیں دیگر ممالک میں بھی جہاں مسلمان آباد ہیں، اب یہ جذبہ قوت سے پیدا ہو رہا ہے کہ سودی نظام جس کو اللہ رب العالمین نے اعلان جنگ قرار دیا ہے اس سے جس طرح بھی ممکن ہو جان چھڑائی جائے، مختلف ملکوں میں اسلامی بینک کاری اور بلاسود بینک کاری پر کام ہوئے اور ہو رہے ہیں، لیکن مجھے یہ بتاتے ہوئے مسرت ہو رہی ہے کہ پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل نے جو رپورٹ تیار کی ہے وہ اسلامی اور بلاسود بینک کاری کے بارے میں اس وقت تک جتنی رپورٹیں عالم اسلام میں تیار ہوئی تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ جامع اور بہتر رپورٹ ہے، صدر صاحب مرحوم نے وزارت خزانہ کو حکم دیا کہ اس رپورٹ کے مطابق عمل درآمد کیا جائے، اور ہمارا پورا مالیاتی نظام سود سے پاک کیا جائے، لیکن یہ ہمارے شامت اعمال ہے کہ وزارتوں، مالیات کے محکموں، اور ان جیسے اداروں کے حضرات سودی نظام کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ

ان کو ادنیٰ قسم کی بھی کوئی کراہت اس میں نظر نہیں آتی بلکہ وہ اس درجہ عادی ہو چکے ہیں کہ اس کو چھوڑنے کو ان کا دل، اگر کوئی معقول عذر نہ ہو تب بھی نہیں چاہتا، الا ماشاء اللہ وہ رپورٹ وزارت خزانہ میں گئی، وہاں سے اسٹیٹ بینک کے پاس پہنچی تو اسٹیٹ بینک نے بینکنگ اور سرمایہ کاری کے بارہ طریقے وہی مقرر کئے جو اسلامی نظریاتی کونسل نے تجویز کئے تھے لیکن ان سب بارہ کے بارہ طریقوں کو ایسا تحریف زدہ کیا کہ نام تو ہوا بلا سود بینکاری کا، مگر سود اور ناجائز معاملات جوں کے توں برقرار رہے۔ اس کی شکایت علماء کرام نے کی، ہم نے بار بار ضیاء الحق صاحب سے عرض کیا کہ آپ یہ کام نہ کریں کہ غیر سودی بینکاری کے نام سے سودی بینکاری کی جائے اس صورت میں لوگ حلال سمجھ کر حرام کھائیں گے، توبہ اور استغفار کی توفیق سے بھی محروم رہیں گے، اس کی اصلاح کی جائے، انہوں نے وعدہ کیا کہ میں اسلامی نظریاتی کونسل کے علماء کو اور وزارت خزانہ کے لوگوں کو پھر جوڑ کر بٹھاؤں گا، لیکن شاید موقع میسر نہ آسکا یہاں تک کہ مسلم لیگ کی حکومت قائم ہوگئی اور وہ انتظام حکومت سے الگ ہوگئے۔ صدر ضیاء الحق بحیثیت صدر برقرار رہے لیکن انتظام حکومت جمہوری حکومت کے پاس آ گیا۔ پھر ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو پچھلے سال جب انہوں نے اسمبلی اور مسلم لیگی حکومت کو برطرف کردیا تو انہوں نے نفاذ شریعت آرڈیننس نافذ کیا اور اس کے تحت انہوں نے جہاں ہائی کورٹوں کو موجودہ غیر اسلامی قوانین کو کالعدم قرار دینے کے اختیارات دیئے اسی کے ساتھ انہوں نے دو کمیشن قائم کئے ایک اسلامی اقتصادی کمیشن، ایک اسلامی تعلیمی کمیشن۔

اسلامی اقتصادی کمیشن پاکستان کی خدمات:

اسلامی اقتصادی کمیشن کو انہوں نے اسلامی نظریاتی کونسل سے زیادہ طاقت

ور بنایا تھا، اس معنی کے لحاظ سے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے ذمہ تو صرف اتنا کام تھا کہ وہ سفارشات پیش کر سکے، اس کمیشن کو یہ اختیار بھی دیا کہ مالیاتی ادارے جن میں اسٹیٹ بینک اور پاکستان کے تمام بینک شامل تھے۔ ان تمام اداروں کی اس طرح نگرانی بھی کرے کہ عدم تعمیل کے واقعات حکومت کے علم میں لائے۔ یہ اقتصادی کمیشن صرف پانچ ارکان پر مشتمل تھا، جن میں مجھ ناکارہ کا نام بھی شامل تھا اور خاص طور سے اسٹیٹ بینک کے گورنر کو بھی اس کا رکن مقرر کیا گیا تا کہ کمیشن کی رپورٹ پر عمل درآمد آسان ہو۔ میں نے ان سے عرض بھی کیا کہ آپ نے مجھے اس کا رکن بنا تو دیا ہے مگر مجھے انگریزی نہیں آتی، متعلقہ سارا لٹریچر انگریزی میں ہے، میں نے بعض دیگر علماء کے نام پیش کئے اور صدر صاحب سے کہا کہ یہ حضرات انگریزی بھی جانتے ہیں اقتصادیات پر بھی ان کی نظر ہے ان میں سے کسی کو لے لیں، انہوں نے ناموں کا وہ پرچہ لیکر مجھ سے کہا کہ آپ تو رہیں، مزید کسی کی ضرورت ہوگی تو کمیشن میں ان کو بھی شامل کرلیا جائے گا۔ ہم آپ کو تکلیف نہیں ہونے دیں گے، ہم آپ کو ایسا اسسٹنٹ دیں گے جو آپ کی ہدایت کے مطابق ہر چیز جمع کرکے اور ترجمہ کرکے آپ کو پیش کیا کرے گا۔

یہ واقعہ صدر ضیاء الحق صاحب کے شہید ہونے سے تقریباً دس دن پہلے کا ہے، یہ ان سے ہماری آخری ملاقات تھی۔ اس روز انہوں نے کمیشن کا پہلا اجلاس اپنی معیت میں بلایا تھا۔ اس میں انہوں نے دل کھول کر رکھ دیا، انہوں نے کہا میں ہر قیمت پر مالی نظام کو سود سے پاک کرنا چاہتا ہوں اور یہ ذمہ داری آپ کے سپرد کررہا ہوں کہ آپ سفارشات پیش کریں گے اور میں اس کا نفاذ کروں گا میں ہر مہینے میں کم از کم ایک بار آپ حضرات کے ساتھ پورے پورے دن بیٹھوں گا۔ پھر کہنے لگے وقت کافی نہیں ہے نومبر میں انتخابات ہونے ہیں، پھر جب مجلس برخواست ہوگئی

تو مجھ سے پوچھا آپ اسلام آباد میں ایک دو روز ٹھہریں گے؟ میں نے کہا کہ مجھے تو یہاں (ایوان صدر) سے سیدھا ایئر پورٹ جانا ہوگا، لیکن اگر ضرورت ہو تو میں رک جاؤں گا۔ اتنے میں کمیشن کے دیگر اراکین بھی آ گئے۔ ہم سب سے پھر کہنے لگے کل تو فوج کے ساتھ مشغول ہوں، پرسوں ملاقات ہو سکے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ بیٹھوں اور اس مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو ہو۔ تا کہ ہم سب اس مسئلہ کو جلد آگے بڑھا سکیں۔ پھر کہنے لگے "لیکن اس طرح آپ حضرات کا کل کا دن بیکار جائے گا۔ اچھا آپ حضرات کو چند روز میں پھر زحمت دوں گا۔" پھر ۱۷ اگست کو اللہ تعالیٰ نے ان کو تو شہادت کے مرتبہ پر سرفراز فرمادیا۔ مگر کمیشن وجود میں آ چکا تھا، الحمد للہ کمیشن نے کام جاری رکھا اور اس میں چونکہ گورنر اسٹیٹ بینک خود موجود تھے اس لئے اسٹیٹ بینک کی طرف سے کسی اعتراض اور رکاوٹ کا راستہ نہیں رہا، الحمد للہ اس کمیشن نے آٹھ مہینہ میں ایک جامع اور مفصل رپورٹ بلاسود بینکاری کی تیار کی، اس رپورٹ کی تیاری کیلئے ہم نے اپنی ایک ذیلی کمیٹی بنالی تھی، جس میں کمیشن سے باہر کے ماہرین بینکاری اور دارالعلوم کراچی کے دیگر کئی علماء کرام سے بھی استفادہ کیا گیا، خصوصاً بینکنگ کونسل کے سابق چیئرمین جناب حاجی عبدالجبار صاحب، اور میرے برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے تو اس میں اول سے آخر تک بنیادی حصہ لیا، اس کمیٹی کے اجلاسات دارالعلوم کراچی میں صبح سے رات تک جاری رہتے تھے، دارالعلوم کراچی کے تخصص فی الافتاء میں زیر تربیت طلبہ کو بھی مسائل وجزئیات کی تلاش وجستجو میں شریک کیا گیا۔

الحمد للہ اس مربوط کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ ماہرین بینکاری کے سامنے جو عملی مشکلات تھیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ سب حل ہوگئیں۔ اور ایک جامع رپورٹ تیار ہوگئی۔ پھر یہ اہتمام کیا گیا کہ یہ رپورٹ بنکوں اور مالیاتی اداروں کے سربراہوں

کو بھی غور و فکر کیلئے پیش کی گئی، ان حضرات نے کچھ نئی عملی مشکلات پیش کیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے حل کرادیا۔ اس کے بعد کارخانہ داروں، صنعت کاروں اور بڑے تاجروں کے ساتھ مشورہ ہوا، ان کے سامنے جو عملی الجھنیں تھیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ بھی دور ہوگئیں۔ اس طرح بلاسود بینکاری کی یہ رپورٹ ہر طرح قابل عمل ہونے کے ساتھ شرعی اعتبار سے بھی اطمینان بخش صورت میں تیار ہوگئی۔

اس رپورٹ کے تیار ہوتے ہی کمیشن کا اجلاس طلب کیا گیا، تاکہ کمیشن اس کا آخری جائزہ لے کر اسے حتمی شکل دیدے اور حکومت کو پیش کردے۔

ہم بجا طور پر سمجھ رہے تھے کہ اس رپورٹ پر اگلے بجٹ سے عمل درآمد شروع ہوجائے گا، اور اس طرح ہماری زندگیوں کی قیمت وصول ہوجائے گی، کیونکہ اس رپورٹ کا حاصل یہ تھا کہ پورے ملک میں سارے بینکوں کا نظام سود سے بالکلیہ پاک ہوجاتا، اوراب اس میں کوئی فنی یا عملی مشکل بھی باقی نہیں رہی تھی۔ بینکار، صنعت کار اور تجار سب متفقہ طور پر اس رپورٹ کو ہر اعتبار سے قابل عمل مفید اور مناسب قرار دے چکے تھے۔

لیکن جس روز کمیشن کا یہ اجلاس ہونے والا تھا، اس سے ایک روز قبل اسلام آباد سے اچانک فون آیا کہ اس ''اسلامی اقتصادی کمیشن'' کا وجود قانونی طور پر ختم ہوچکا ہے، کیونکہ اسے صدر ضیاء الحق مرحوم نے ''نفاذ شریعت آرڈیننس کے تحت قائم کیا تھا، صدارتی آرڈیننس کی توثیق اگر اسمبلی نہ کرے تو وہ آرڈیننس چار مہینے میں خود بخود ختم ہوجاتا ہے، البتہ صدر چاہے تو مزید چار ماہ کیلئے اس کی تجدید کرسکتا ہے، چنانچہ جب چار مہینے پورے ہوئے تو پاکستان کے موجودہ صدر جناب غلام اسحاق صاحب نے اس آرڈیننس کی مزید چار ماہ کیلئے تجدید بھی کردی تھی، اس طرح کمیشن کو اپنا کام کرنے کیلئے کل آٹھ ماہ مل گئے، لیکن جب یہ آٹھ مہینے مکمل ہوئے تو ملک میں اسمبلی

وجود میں آچکی تھی، جس نے ''نفاذِ شریعت آرڈیننس'' کی توثیق نہیں کی، بلکہ اسمبلی میں اس کو زیر بحث ہی نہیں لایا گیا، اس طرح ''نفاذ شریعت آرڈیننس'' کے ساتھ یہ کمیشن بھی ختم ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

تاہم کمیشن کی ذیلی کمیٹی کی تیار کردہ یہ رپورٹ ایک اہم علمی دستاویز ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو پاکستان کی کوئی بھی حکومت استفادہ کرسکتی ہے۔

باہمی ربط کی ضرورت:

بہرحال مجھے اس وقت صرف یہ عرض کرنا ہے کہ الحمدللہ یہ اجتماعی اجتہاد وقیاس کا کام پاکستان میں بھی چل رہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ جو کام یہاں ہورہا ہے اور جو کام وہاں ہورہا ہے ان دونوں کے مابین ربط ہو اور ایک دوسرے کی معلومات اور تحقیق سے ہم استفادہ کریں، اللہ تعالیٰ ہماری ان تمام مشکلات اور مسائل میں مدد فرمائے، رہنمائی فرمائے اور ہمیں اپنے اسلاف کی راہ راست پر چلتے ہوئے ان مسائل پر پوری توانائیاں خرچ کرنے کی توفیق کامل عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العٰلمین

عظمت
مدارسِ دینیہ

موضوع　　عظمت مدارسِ دینیہ
مقرر　　حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
ضبط وترتیب　　مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام　　محمد ناظم اشرف

﴿عظمتِ مدارسِ دینیہ﴾

خطبہ مسنونہ

الحمدللّٰہ، نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ ونشھدان سیدنا ومولانامحمد اعبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

امابعد

فاعوذباللّٰہِ من الشیطان الرجیم ط بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ إِذۡبَعَثَ فِیۡھِمۡ رَسُوۡلًا مِنۡ أَنۡفُسِھِمۡ یَتۡلُو عَلَیۡھِمۡ آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیۡھِمۡ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ

وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○

(آلِ عمران:۱۶۴)

تمہید

حضرات علماءِ کرام، ہونہار طلبہ، اساتذہِ عظام، معزز حاضرین، محترم خواتین، میری ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

''عظمتِ مدارسِ دینیہ'' کے موضوع پر آج کا یہ عظیم جلسہ اور آپ حضرات کا یہ والہانہ انداز الحمد للہ، خود عظمتِ مدارس کی ایک جیتی جاگتی مثال ہے۔ ابھی تھوڑی دیر قبل مولانا زاہد الراشدی صاحب کا فکر انگیز خطاب آپ حضرات نے سنا۔ الحمد للہ، یہ خطاب ان تمام باطل خیالات اور اعتراضات کا خاتمہ کر دیتا ہے جو دینی مدارس کے خلاف اسلام دشمن طاقتوں نے چلتے کئے تھے اور بہت سے سیدھے سادھے مسلمانوں کی زبانوں پر بھی وہ جاری ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا زاہد الراشدی صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے میرے دل کی باتیں کہی ہیں۔ اور اتنے اچھے انداز میں کہی ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ ان کی اس تقریر کی کیسٹ کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔ اگر کتابی شکل میں تیار کر کے اس کو چھاپ دیا جائے بلکہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو تو انشاء اللہ مفید ہوگا۔

دینی تعلیم کا سلسلہ بند ہونے والا نہیں

مولانا زاہد الراشدی صاحب نے آخری سوال کا جو جواب دیا، میں اُسی کو کچھ آگے چلانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے لوگوں کا تیسرا سوال یہ نقل کیا تھا کہ اگر خدانخواستہ اسلام دشمن طاقتیں اِن مدرسوں کو مٹانے اور سرکاری طور پر قبضہ کرنے میں

کامیاب ہوگئیں تو پھر دینی تعلیم کا کیا ہوگا؟ علم کا یہ سلسلہ کیسے جاری رہے گا؟ انہوں نے اس کا خوب شافی جواب دیا کہ انگریز کی اتنی زبردست قوت دوسو سال یہیں اِن مدارس کو فنا کرنے میں اپنی قسمت آزمائی کرتی رہی لیکن ناکام رہی۔

یہ سلسلہ بند ہونے والانہیں۔ میں اسی جواب کی مزید کچھ تشریح اور تفصیلات تاریخِ اسلام کے حوالے سے بیان کروں گا۔

دینی مدارس کی تعلیم کا آغاز کب ہوا؟

ان مدارس کی کچھ تاریخ ہے۔ ان کی کچھ روایات ہیں۔ علماء، فقہاء اور محدثین کی ایک طویل داستان ہے۔ تعلیم وتعلم، پڑھنے پڑھانے اور استادی شاگردی کا یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا تھا جب سب سے پہلی وحی تاجدار دو عالم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِحرا میں نازل ہوئی۔ جس میں جبرئیلِ امین قرآنِ مجید کی سب سے پہلی آیات لیکر آئے تھے۔

سب سے پہلی وحی کی آیات

سب سے پہلی وحی میں نازل ہونے والی آیات یہ ہیں:

﴿إقرا باسمِ ربك الَّذی خَلَقَ O خلقَ الإنسانَ مِنْ عَلَقٍO إقرا و ربك الأكرمO الَّذی عَلَّمَ بِالْقَلَمِO عَلَّمَ الإنْسَانَ مَالَم يَعْلَمْO﴾ (سورۃ العلق:ا تا ۵)

''(اے پیغمبر!) آپ اپنے اس رب کا نام لے کر قرآن پڑھئے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ قرآن پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس

نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ اس نے انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ جانتا نہ تھا۔"

اِس دین کی بنیاد علم پر ہے

ان آیات میں سب سے پہلی آیت کا آغاز "اِقرأ" (پڑھئے) کے لفظ سے ہو رہا ہے۔ گویا کتاب اللہ اور دینِ اسلام کا آغاز پڑھنے کے حکم سے ہو رہا ہے۔ انہی آیات میں پھر پڑھنے کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا:

﴿إقرا و ربك الأكرم٥ الَّذِى عَلَّمَ بِالْقَلَمِ٥﴾

"اس رب کے نام سے پڑھئے جو بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی"۔

پہلی ہی وحی کے اندر تعلیم کا بھی ذکر ہے اور قلم کا بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اِس دین کی بنیاد ہی علم پر قائم ہے۔

یاد رکھئے! وہ دین فنا ہو جایا کرتا ہے، جس کا علم باقی نہ رہے۔ ہمارا دین قیامت تک برقرار رہنے کے لئے آیا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکے گی۔ اور جب یہ بات ہے تو اس کے علم کو بھی دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکے گی۔

یہ دبنے والی قوم نہیں

یہ علم کہاں ہے؟ علماء کے سینوں میں ہے۔ مدرسوں کے طلبہ کے پاس ہے، اساتذہ کے پاس ہے، محققین، فقہاء اور مصنفین کے پاس ہے۔ نہ یہ دین کسی سے مٹ سکے گا اور نہ یہ علماء کسی سے مٹ سکیں گے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تم مدرسوں کی عمارتوں پر قبضہ کر لو اور اگر ایسا کیا تو اِن عمارتوں کا حال وہی ہوگا جو جامعہ اسلامیہ

بہاولپور (اسلامی یونیورسٹی بہاولپور) کا حال ابھی مولانا زاہد الراشدی صاحب بیان فرما رہے تھے لیکن اگر تم قال اللہ، قال الرسول کے سلسلے کو بند کرنے کا خواب دیکھو گے تو ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ علماء اور طلبہ، پڑھنے اور پڑھانے والوں کی یہ قوم ایسی سخت جان ہے کہ ان کی داستان تو فاقوں سے مزین ہے، جذبات کی قربانیوں سے مزین ہے۔ راتوں کو جاگنے سے مزین ہے۔ کہیں یہ تختہء دار پر نظر آتے ہیں، کہیں راتوں کو جاگتے نظر آتے ہیں اور کہیں بھوکے اور فاقہ مست نظر آتے ہیں۔ یہ کسی حالت میں دبنے والے نہیں، یہ فنا ہونے والی قوم نہیں۔

اہلِ علم کی قربانیوں کی داستان

آپ نے مجاہدینِ اسلام کی قربانیوں کی رنگین داستان پڑھی ہے اور بلاشبہ وہ ایسی داستان ہے کہ دنیا کی کسی قوم کے پاس اس کی مثال نہیں ہے لیکن اہلِ علم کی قربانیوں کی وہ داستانیں جو علم حاصل کرنے اور اُسے دوسروں تک پہنچانے میں رقم ہوئی ہیں، وہ بہت کم لوگوں کے سامنے ہیں۔ میں اس کی چیدہ چیدہ کچھ مثالیں آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

پہلا مدرسہ

مسجدِ نبوی کا چبوترا ''صفہ'' جو اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ وہاں صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت جن کی تعداد اسی (۸۰) تک پہنچی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آ پہنچی تھی۔ ان کا صرف ایک کام تھا کہ دین سیکھیں گے۔ یہ پہلا مدرسہ ہے۔

''استاذ ہیں تاجدار دو عالم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم، نصابی

کتاب ہے، کتاب اللہ، اور شاگردوں کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے کہ انبیاء کرام کے بعد ان کی نظیر آسمان و زمین نے نہیں دیکھی"۔

یہ وہ مقدس جماعت ہے کہ ان کی نہ کوئی تجارت تھی اور نہ ملازمت و مزدوری۔ بس اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنے آپ کو دینِ اسلام کے لئے وقف کر کے صفہ میں آپڑے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فاقے برداشت کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یمن سے سب کچھ چھوڑ کر اسی مدرسہ میں آ کر رہنے لگے تھے۔ ۷ ہجری میں آئے، ان کی کیفیت یہ تھی کہ کچھ کھانے کو مل گیا تو کھا لیا ورنہ فاقے پر فاقے۔ آپ اپنے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھ پر یہ اوقات بھی گذرتے تھے کہ کئی کئی وقت کے فاقوں کی وجہ سے میں مسجدِ نبوی میں پڑا ہوتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ میں بے ہوش ہوں حالانکہ میں ہوش میں ہوتا تھا لیکن میرے اندر طاقت نہیں ہوتی تھی کہ ان کی بات کا جواب دے سکوں۔ اسی حالت میں بعض اوقات مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور میرے کھانے کا انتظام کیا۔

یہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جن کی روایات کتبِ حدیث میں سب سے زیادہ ہیں۔ پانچ ہزار سے زائد حدیثیں ان کو ازبر یاد تھیں۔

اہلِ مدارس کی کفالت۔ صفہ کی نقالی

مدینہ طیبہ کے وہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کے کچھ

باغات یا زمینیں تھیں، وہ اپنے ان باغات اور زمینوں کی پیداوار سے اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی تجارت یا مزدوری کی آمدنی سے پیسے لا کر اِن اصحابِ صفہ پر نچھاور کرتے تھے، جس سے ان کا گذارا چل رہا تھا، یہ بالکل اسی طرح تھا جس طرح آج مدارس کے طلبہ کی مقدس جماعت اللہ پر بھروسے کرتے ہوئے ان مدارس میں پڑی ہے اور علمِ دین کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کرچکی ہے۔ الحمد للہ! اس وقت بھی ملک کے مخیّر اور غیرت مند مسلمان اِن طلبہ کی کفالت کرتے ہیں، یہ درحقیقت ''صفہ'' اور ''اصحابِ صفہ'' کی نقالی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں نقالی کی توفیق عطا فرمائے۔

صرف ایک حدیث کے لئے دو مہینے کا طویل سفر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ درسِ حدیث دیا کرتے تھے۔ کسی نے آپ کو ایک حدیث سنائی اور کہا میں نے دمشق کے فلاں صحابی سے یہ حدیث سنی ہے۔ ان کو شوق ہوا کہ اُس صحابی اور میرے درمیان اِس شخص کا واسطہ ختم ہو جائے اور میں اُس صحابی سے جا کر خود یہ حدیث سنوں۔ چنانچہ ایک حدیث سننے کے لئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ ایک مہینے کا سفر جانے کا اور ایک مہینے کا سفر واپسی کا تھا لیکن آپ نے اس حدیث کے لئے یہ سارا سفر اختیار کیا اور وہ حدیث سن کر واپس لوٹے۔ اور یہ صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ صرف ایک حدیث کے لئے ایک ایک مہینے کا سفر محدثین نے کیا۔

ربیعۃ الرائے رحمہ اللہ کے والدین کی عظیم قربانی

ایک مشہور بزرگ ہیں جو ''ربیعۃ الرائے'' کے نام سے معروف ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کے استاذ ہیں۔ اپنے وقت کے فقہ و حدیث کے امام ہیں۔ ان کے

والد کا نام ''فروخ'' تھا۔ ان کے والد کی شادی ہوئی۔ نوجوان تھے، نئی نویلی دلہن گھر میں تھی۔ ابھی شادی کو تھوڑا ہی وقت گذرا تھا اور ان کی بیوی امید سے تھیں کہ انہیں اسی حالت میں جہاد کا سفر پیش آ گیا۔ چنانچہ وہ سفر جہاد پر چلے گئے۔ جب آدمی جہاد میں جاتا ہے تو ہر طرح کے امکانات ہوتے ہیں بلکہ زیادہ گمان یہ ہوتا ہے کہ شاید زندہ حالت میں واپسی نہ ہو، چنانچہ اِس حالت میں سفر پر جا رہے تھے حالانکہ نئی نویلی دلہن گھر میں ہے اور وہ بھی امید سے ان کے دل کی کیفیت کیا ہوگی؟ اللہ ہی جانے یا وہ جانیں۔

ان کے پاس تیس ہزار دینار جمع تھے (دینار سونے کا ایک سکہ ہوتا ہے، اسے ہمارے ہاں اشرفی کہتے ہیں) چلتے وقت یہ دینار بیوی کے حوالے کئے اور کہا کہ یہ رقم تمہارے کام آئے گی اور پیدا ہونے والے بچے کی تعلیم و تربیت میں بھی خرچ ہو سکے گی اور اگر میں شہید ہو گیا تو اُسے تجارت میں لگا دینا تا کہ تمہارا اور بچے کا روزگار چلتا رہے۔

یہ کہہ کر جہاد میں چلے گئے۔ وہاں جا کر نجانے کیا حالات پیش آئے، کن مسائل سے دوچار ہوئے، پتہ نہیں کہیں قید ہو گئے یا کوئی اور بات پیش آئی کہ تیس سال جہاد میں گذر گئے۔

تیس سال بعد گھر واپس لوٹے۔ آپ خود اندازہ کیجئے کہ جو شخص نئی نویلی دلہن گھر چھوڑ کر گیا ہو اور پھر اتنے طویل عرصے کے بعد واپس لوٹ رہا ہو تو اس کے دل کی کیفیت کیا ہوگی؟ اُسے اپنے گھر آنے کا کتنا شوق ہوگا؟ جب آپ گھر پہنچے تو گھوڑے پر سوار تھے۔ ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اِس خیال سے کہ اگر میں اتر کر دستک دوں گا تو کچھ وقت لگے گا، گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ہی دروازہ پر نیزے سے دست دی۔ اتفاق سے نیزہ کچھ زور سے لگ گیا۔ گھوڑے سے اترے تو اندر سے ایک نوجوان

برآمد ہوا۔ اس نے کہا کہ تم کون ہو؟ کیا تم میرے گھر کے دروازے کو توڑنا چاہتے ہو؟ یہ کہنے لگے کہ تم کون ہو، میرے گھر میں گھسے ہوئے۔ اسی میں اِن دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ اندر سے بیوی نے آواز سن لی اور پہچان لیا۔ دوڑ کر آئی اور کہا خاموش ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ، تم باپ اور بیٹے ہو۔ اب یہ دونوں گلے مل کر خوب روئے۔ گھر میں خوشی کا سماں پیدا ہو گیا۔

گھر کے اندر پہنچے۔ تھوڑی ہی دیر بعد مسجدِ نبوی میں اذان ہوگئی۔ بیٹا فوراً نماز کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہ بھی مسجد جانے کی تیاری کرنے لگے۔ مسجد کی طرف چلتے وقت فروخ نے بیوی سے پوچھا کہ ان تیس ہزار دیناروں کا کیا ہوا جو میں تمہیں دے کر گیا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ فکر نہ کرو، وہ محفوظ ہیں آپ مسجد چلے گئے۔

مسجد پہنچے، نماز پڑھی۔ نماز کے بعد انہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا کہ ایک نوجوان جس نے اپنے سر پر ایک رومال ڈالا ہوا ہے، بلند مسند پر بیٹھا ہے۔ اس کے اردگرد بڑے بڑے علماء دو زانو بیٹھے ہیں۔ امام مالک بھی ان میں موجود ہیں۔ غور سے دیکھا تو یہ ان کا بیٹا ربیعہ تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ گھر پہنچے اور بیوی سے کہا کہ آج میں نے ایسا منظر دیکھا ہے کہ اس کی خوشی میری رگ و پے میں سما گئی ہے۔ مجھے زندگی میں اتنی خوشی کبھی نصیب نہیں ہوئی، جتنی آج ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو اتنا بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ یہ سن کر بیوی کہنے لگی کہ آپ تیس ہزار دیناروں کے بارے میں پوچھ رہے تھے، وہ رقم میں نے اِسی بیٹے پر خرچ کی ہے۔

اندازہ کیجئے! باپ کی قربانی کا کہ اس نے تیس سال وطن سے دور گزارے اور اس سے بڑھ کر ماں کی قربانی کا کہ اس نے یہ طویل عرصہ عفت وعصمت کے ساتھ گذارا اور جو جمع پونجی شوہر نے اس کے حوالے کی تھی، اُسے اپنے اوپر خرچ

کرنے کے بجائے بیٹے کو تعلیم دلوائی۔ اپنی ساری خوشیوں کو قربان کر کے بیٹے کو عالمِ دین بنایا اور عالمِ دین بھی ایسا کہ امام مالک جیسے جلیل القدر امام بھی ان کے شاگرد بنے۔ علماء ان کی روایات کے حوالے دیتے ہیں اور فقہاء ان کے اقوال فقہی مسائل میں بیان کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا جنازہ جیل سے نکلا

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اپنے وقت کے امام تھے۔ ان کے علم وفضل کی وجہ جہاں بہت سے لوگ ان کے گرویدہ تھے، وہاں کچھ ان کے حاسدین بھی تھے۔ اِن حاسدین نے عباسی خلیفہ ابو منصور سے شکایت کی کہ ابو حنیفہ تمہارے خلاف ہے۔ اور اس طرح کی شکایات سے اس کے کان بھرتے رہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی یہ عادت تھی اور علماءِ حق کی بھی یہی عادت ہوتی ہے کہ بلاضرورت حکمرانوں سے نہیں ملتے، کوئی دینی ضرورت ہو تو ملاقات کر لیتے ہیں۔ابو جعفر منصور کو شبہ ہوا کہ چونکہ یہ ملنے نہیں آتے، ہوسکتا ہے کہ یہ میرے مخالف ہوں۔ اس نے آپ کو بلا بھیجا۔

اس وقت قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ خالی ہوا تھا۔ اور یہ چیف جسٹس صرف پاکستان جیسے ملک کا عہدہ نہ تھا بلکہ پورے عالمِ اسلام کا قاضی القضاۃ مقرر ہونا تھا۔ اس وقت عالمِ اسلام بہت وسیع تھا۔ اس کا ایک خلیفہ ہوتا اور تمام علاقے اسی کے ماتحت ہوتے تھے۔ صرف اندلس میں الگ خلافت تھی، باقی تمام علاقے دارالخلافہ بغداد کے ماتحت تھے۔سارے ممالک اس کے صوبوں کی حیثیت رکھتے تھے۔متحدہ ہندوستان جس میں پاکستان، بنگلہ دیش، بھارت اور نیپال شامل ہیں۔ اس وقت کے عالمِ اسلام کے ایک صوبہ کا درجہ رکھتا تھا۔ اتنی بڑی سلطنت کے

لئے خلیفہ نے آپ کو قاضی القضاۃ بننے کی پیش کش کی۔ آپ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس عہدے کا اہل نہیں ہوں۔

اس کے کانوں میں تو پہلے سے یہ بات پڑی ہوئی تھی کہ یہ میرا مخالف ہے۔ یہ جواب سن کر اس نے سمجھا کہ میری مخالفت کی وجہ سے عہدہ قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے غصے میں کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ امام صاحب تو بلا کے حاضر جواب تھے۔ سنتے ہی فوراً جواب دیا کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو پھر یہ ثابت ہو گیا کہ میں قاضی بننے کا اہل نہیں۔ خلیفہ کو یہ جواب پسند نہ آیا۔ جب اسے اور کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو اس نے آپ کو بغداد کی جیل میں ڈال دیا۔ آپ پوری زندگی اسی میں رہے۔ وہیں پر آپ کو زہر دیا گیا اور بالآخر اسی جیل سے آپ کا جنازہ نکلا۔

امام صاحب نے قضاء کا عہدہ کیوں قبول نہ کیا؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے قضا کا عہدہ اس لئے قبول نہ کیا کہ آپ کا خیال تھا کہ میرے مزاج میں بہت نرمی ہے، جب کہ قاضی کو نرمی بھی کرنی پڑتی ہے اور سختی بھی، کبھی سزائے موت دینی پڑتی ہے، کبھی چور کے ہاتھ کٹوانے پڑتے ہیں۔ اس لئے وہ محسوس کرتے تھے کہ اگر میں قاضی بن گیا تو شاید اس کا حق ادا نہ کرسکوں گا۔ اور جو قاضی انصاف نہ کرے اس کے بارے میں روایات میں سخت وعیدیں آئی ہیں، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ان وعیدوں کا مستحق بن جاؤں۔

امام محمد رحمہ اللہ کا ساری ساری رات جاگنا

امام ابو حنیفہؒ کے ایک ہونہار اور ممتاز شاگرد ہیں امام محمدؒ۔ انہوں نے امام صاحب کے فقہی علوم کو کتابی شکل میں لکھا ہے۔ (امام صاحب نے خود اپنی فقہ کتابی

شکل میں ترتیب نہیں دی)۔

ان کا یہ حال تھا کہ پوری پوری رات جاگ کر کتابیں لکھتے تھے۔ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ خاص طور پر امام صاحب کی ظاہر الروایۃ کی چھ کتب انہی کے ہاتھوں مکمل ہوئیں۔ کسی نے کہا کہ آپ اتنی زیادہ محنت نہ کریں۔ رات کو سو جایا کریں، ورنہ آپ کی صحت خراب ہو جائے گی۔ فرمایا کہ اگر محمد بھی سو گیا تو پھر پوری امت کو جاگنا پڑے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی قربانیاں

امام بخاری رحمہ اللہ نے علمِ حدیث حاصل کرنے کے لئے جو قربانیاں دیں۔ اس کی بھی ایک طویل داستان ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے علاقے کے تمام علماء سے احادیث حاصل کر لیں۔ اس کے بعد عالمِ اسلام کے سفر پر نکل پڑے۔ اس زمانے میں اس طرح مدارس نہیں ہوتے تھے، جس طرح آج کل ہیں کہ ایک ہی مدرسہ میں تمام علوم وفنون مل جائیں بلکہ محدثین اپنے اپنے علاقوں میں رہتے تھے۔ اور طلبہ کو سفر کر کے مختلف شہروں اور ملکوں میں جانا پڑتا تھا۔ اور اس زمانے میں سفر پیدل، گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں وغیرہ پر ہوتا تھا۔ امام بخاری جس استاذ کے پاس بھی جاتے، اس کے نورِ نظر بن جاتے کیونکہ حافظہ غضب کا تھا، تقویٰ اعلیٰ درجے کا تھا اور علم کا شوق انتہائی درجے میں تھا۔ استاذ کی ایک ایک بات کو یاد رکھتے۔

ایک مرتبہ ایک استاذ کے درس میں اس حال میں شریک ہوتے رہے کہ کپڑے بالکل پھٹے پرانے تھے۔ اسی حال میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اپنے استاذ کے درس میں حاضر نہ ہوئے۔ استاذ نے دوسرے ساتھیوں سے اس کی وجہ پوچھی۔ ان کو خبر نہ تھی تو استاذ نے حکم دیا کہ بخاری کی خبر لے کر آؤ۔

طلبہ آپ کے حجرے پر آئے۔ دروازہ بند تھا۔ اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ ساتھیوں نے آواز دی اور بتایا کہ ہم فلاں فلاں ہیں، دروازہ کھولو۔ اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ بار بار کہا کہ بخاری! ہم فلاں فلاں ہیں، تمہارے ساتھی ہیں۔ دروازہ کھولو۔ لیکن اندر سے پھر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ ان کو خطرہ ہوا کہ کہیں انتقال تو نہیں ہو گیا۔ قسم دے کر کہنے لگے بخاری! دروازہ کھول دو ورنہ ہم اسے توڑ کر اندر داخل ہو جائیں گے۔ اس وقت اندر سے آواز آئی کہ الحمدللہ، میں زندہ ہوں لیکن اِس حالت میں نہیں ہوں کہ دروازہ کھول سکوں۔ میرے پاس عرصہ دراز سے کپڑوں کا صرف ایک ہی جوڑا رہ گیا تھا جو دھو دھو کر پہنتا رہا۔ پھٹ جاتا تو اسی کو سی لیتا۔ زیادہ پھٹ جاتا تو پیوند لگا لیتا۔ لیکن اب اتنا بوسیدہ ہو چکا ہے کہ مزید سینے اور پیوند لگانے کے قابل نہیں رہا اور اتنا پھٹ چکا ہے کہ جسم کے جتنے حصے کو چھپانا شرعاً فرض ہے، اتنے حصے کو بھی نہیں چھپا سکتا۔ اس لئے تمہارے سامنے آنے سے قاصر ہوں۔

یہ وہ امام بخاری ہیں کہ جب ان کے والد کا انتقال ہوا تو بہت مال و دولت ترکہ میں چھوڑا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے وہ سارا مال و دولت اپنے علم کی تحصیل میں خرچ کر کے یہاں تک حال کر لیا تھا۔

اندھے کنوئیں میں بارہ سال کی قید

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ فقہ حنفی کے مشہور امام ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابوں کا مجموعہ ایک اور بزرگ نے تیار کیا تھا، جس کا نام ''الکافی'' تھا۔ انہوں نے اِس کتاب کی شرح اپنے شاگردوں کو لکھوانا شروع کی۔ آپ املاء کراتے تھے اور طلبہ لکھتے جاتے تھے، یہی ان کا درس بھی ہوتا تھا اور یہی کتاب کی تصنیف بھی تھی۔ اور اس زمانے میں تصنیف کا یہ بھی ایک طریقہ تھا۔

اسی زمانے میں حکومتِ وقت نے علامہ شمس الائمہ سرخسی سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے جو جواب دیا، وہ حکومت کی مرضی کے خلاف تھا۔ حکومت کے لوگوں نے کہا کہ آپ اس فتویٰ سے رجوع کریں۔ اس میں فلاں فلاں نقصان اور خرابی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ مفتی فتویٰ بناتا نہیں، بتاتا ہے۔ بنانے والے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مفتی کا کام تو صرف مسئلہ بتانا ہے۔ اس لئے میرے اختیار میں نہیں کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کروں جو شرعی مسئلہ تھا میں نے بتا دیا۔

رجوع کے لئے آپ پر بہت دباؤ ڈالا گیا۔ آپ پھر بھی حق پر ڈٹے رہے، یہاں تک کہ آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ جیل کیا تھی، ایک تنگ و تاریک کنواں تھا، جس میں پانی کے سونت بند کر دیئے تھے تاکہ پانی نہ آئے۔ اسی میں کھانا پینا، اسی میں پیشاب پاخانہ اور اسی میں غسل وضو وغیرہ۔ اس زمانے میں بعض حکام ایسے بھی گذرے ہیں کہ جیل میں ڈالنے کے بعد بھول جاتے تھے کہ کسی کو جیل میں ڈالا بھی ہے کہ نہیں۔

شاگردوں کو علم ہوا تو بہت پریشان ہوئے۔ حکومت سے اجازت لے کر اس کنوئیں کے پاس پہنچے جہاں آپ قید تھے۔ سلام کیا، حال پوچھا اور اپنے غم کا اظہار کیا کہ ہم آپ پر آنے والی اِس مصیبت کی وجہ سے غمگین ہیں اور اس وجہ سے بھی پریشان ہیں کہ ہمارا درس ختم ہو گیا۔ آپ نے جواب دیا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، تم حکومتِ وقت سے اجازت لے لو، اگر اجازت مل جائے تو تم کنوئیں کے کنارے آ کر بیٹھ جانا، میں نیچے سے تمہیں املاء کرا دیا کروں گا۔ چنانچہ یہی ہوا، شاگردوں کو اجازت مل گئی۔ وہ کنوئیں کے کنارے بیٹھ جاتے اور آپ نیچے سے املاء کراتے۔ اِسی حال میں بارہ سال گذر گئے اور ''مبسوط'' کی پندرہ جلدیں تیار ہو گئیں۔ اس کے بعد

رہائی ہوئی اور بقیہ پندرہ جلدیں باہر آنے کے بعد املاء کرائیں۔

تیس جلدوں پر مشتمل یہ کتاب دینی کتب میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ تمام بڑے بڑے مدارس کی لائبریریوں کی زینت اور جان ہے۔ فقہ حنفی کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اسلامی قانون کی بنیادی کتاب ہے۔ کوئی مفتی اور کوئی عالم اِس سے مستغنی نہیں ہے۔

وسطِ ایشیا کے علماء پر ڈھائے جانے والے مظالم

وسطِ ایشیا کے ممالک کی داستانِ غم پڑھئے۔ جب روسی لینن کی فوجیں سمرقند اور بخارا پر حملہ آور ہوئیں، تو یہاں کے حکمرانوں نے تھوڑی سی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیئے اور بھاگ کر افغانستان میں پناہ گزین ہو گئے۔ یہ علماء کا طبقہ تھا جنہوں نے آخر وقت تک روسی فوجوں کا مقابلہ کیا لیکن بالآخر روسی فوجیں غالب آگئیں اور سارے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ قبضہ کے بعد ان فوجوں نے علماء پر مظالم ڈھائے ہیں، اس کی داستان خونچکاں ہے اور عبرت ناک ہے۔ ضرورت ہے کہ اُسے پڑھا جائے اور پھیلایا جائے۔ بہت سوں کو ٹرکوں اور جہازوں میں بھر بھر کر سائبریا میں پھینک دیا۔ سائبریا کے برفستانوں میں بھوکا پیاسا چھوڑ آئے اور وہیں وہ علماء تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ اس کے علاوہ ایک لمبی اور گہری خندق کھودی گئی۔ اس کے اندر کئی فٹ تک چونا بھرا گیا۔ اس کے بعد بھی وہ خندق بہت گہری تھی۔ ہزاروں علماء کو ٹرکوں میں لاد کر یہاں ڈال دیا گیا۔ اور پھر ان زندہ انسانوں کے اوپر بھی چونا ڈال دیا گیا۔ بہت سے علماء تو جہاد میں شہید ہو گئے تھے۔

یہ سلوک ان لوگوں کے ساتھ تھا جن کے بارے میں ذرا بھی کسی نے کہہ دیا کہ یہ مولوی ہے، یا استاذ ہے یا مدرس ہے یا مؤذن یا مسجد کا امام ہے وغیرہ۔

صرف اذان کہنے پر چھ سال قید

قرآن حکیم کی اشاعت پر پابندی لگا دی گئی۔ عربی زبان بولنے اور سیکھنے پر پابندی لگ گئی۔ رسم الخط بدل دیا گیا۔ ابھی جہاد افغانستان کے بعد جب ازبکستان آزاد ہوا تو اس وقت میرا وہاں جانا ہوا۔ جس جہاز میں جا رہے تھے یہ ازبکستان کا جہاز تھا۔ وہاں کے تاجروں نے اُسے چارٹرڈ (Chartered) کیا تھا۔ اسی میں ہم نے بھی ٹکٹ لے لئے تھے۔ ہمارا علماء کا ایک وفد تھا جو تاشقند گیا اور پھر وہاں سے سمرقند و بخارا بھی جانا ہوا۔

راستے میں ایک شخص نے اپنی داستان سنائی کہ روسی تسلط کے زمانے میں میں نے ایک مرتبہ اذان دے دی تو مجھے اِس جرم میں چھ سال قید کی سزا ہوئی۔

علماء پھر بھی موجود......!

جب ہم وہاں پہنچے تو وہاں علماء موجود تھے۔ تاشقند میں بھی علماء، سمرقند میں بھی علماء اور بخارا میں بھی علماء اور تینوں جگہ حافظ و قاری بھی موجود تھے۔ عربی زبان بولنے والے بھی، لکھنے والے بھی۔ ہم نے حیرت سے پوچھا کہ ارے بھائی! تم کہاں سے آگئے یہاں تو علماء کا بیج مار دیا گیا تھا۔ تم نے قرآن کہاں سے پڑھا؟ کہا کہ حجرے میں۔ تم نے حدیث کہاں پڑھی؟ حجرے میں۔ عربی زبان کہاں سیکھی؟ حجرے میں۔ بھائی! حجرہ کیا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ پورے وسطِ ایشیا کے اندر حکومت نے پابندی لگا دی تھی کہ یہاں کوئی مدرسہ نہیں بنے گا، پہلے سے موجود مدارس کو سینما ہاؤس میں تبدیل کر دیا گیا تھا تو ان لوگوں نے اپنے گھروں کے اندر خفیہ حجرے بنا لئے۔ اِن خفیہ حجروں کے اندر انہوں نے قرآن مجید اور کچھ دینی کتب کے نسخے محفوظ کر

لئے۔ کسی کے پاس جلالین تھی تو اُس نے اُسے محفوظ کرلیا، کسی کے پاس مشکوٰۃ کی کتاب تھی تو اس نے اُسے محفوظ کرلیا غرضیکہ عربی کی جو کتابیں ہمارے مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں، انہیں اِن حجروں میں محفوظ کرلیا گیا۔

دن کو محنت مزدوری کرتے تھے کیونکہ سوشلسٹ نظام کی وجہ سے ہر ایک کے لئے کام کرنا ضروری تھا اور اس میں آدمی اپنی مرضی کی ملازمت بھی نہیں کرسکتا تھا۔ رات کو جب سناٹا چھا جاتا تو اِن حجروں میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ جس نے قرآن پڑھا ہوا تھا، وہ قرآن کی تعلیم دیتا۔ جس نے کچھ حدیث پڑھ رکھی تھی، وہ حدیث سکھاتا اور جسے عربی زبان آتی تھی، وہ عربی سکھاتا۔ اِن حالات میں اس قوم پر بہتر سال گذرے ہیں اور جب اتنے طویل عرصے کے بعد روسی تسلط سے آزاد ہوئے تو اس کے اندر علماء بھی موجود تھے اور محدثین بھی، قاری بھی موجود تھے اور عربی جاننے والے بھی۔

ایک امام مسجد کا واقعہ

سمرقند میں ایک جگہ جہاں ہمارا قیام ہوا، وہ ایک مسجد تھی۔ اس مسجد کے امام صاحب نے ہمیں پوری مسجد دکھائی اور بتلایا کہ میرے والد اس مسجد کے امام و خطیب تھے اور اس میں ایک چھوٹا سا مدرسہ بھی چل رہا تھا۔ جب روسیوں کا قبضہ ہوا تو اس مسجد کو چھین لیا گیا اور اسے سینما ہاؤس میں تبدیل کردیا تھا۔ (سینما ہاؤس کے نشانات ابھی وہاں موجود تھے) اور میرے والد کی یہ ڈیوٹی لگادی گئی کہ تم کھیت میں ہل چلانے کا کام کروگے۔ والد صاحب دن بھر کھیت میں کام کرتے تھے۔

انہیں نمازوں کی ادائیگی میں یہ مشکل آتی تھی کہ باقی نمازیں تو گھر میں ادا کرلیتے لیکن ظہر کی نماز ڈیوٹی کے اوقات میں آتی تھی۔ اس لئے انہوں نے یہ تدبیر

میرے دادا جان کا ایک عجیب واقعہ

میرے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر ہیں یعنی جس سال دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی، اسی سال ان کی ولادت ہوئی۔ آپ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ہم درس تھے۔ آپ دونوں نے دورہ حدیث اکٹھے کیا۔ حضرت شیخ الھند کے بھی شاگرد تھے اور مولانا یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کے بھی۔ دادا جان پھر دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس بن گئے اور آخر عمر تک وہاں پڑھایا۔

میں نے اپنے دادا کا واقعہ اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سے سنا اور کئی بار سنا کہ جب وہ دورہ حدیث کر رہے تھے تو یہ وہ زمانہ تھا کہ جب ان کے والد خلیفہ تحسین صاحب رحمہ اللہ نابینا ہو گئے اور ضعیف بھی ہو چکے تھے۔ کوئی ذریعہ معاش نہ رہا۔ اس حالت میں انہوں نے اپنے نوجوان بیٹے کو کسی محنت مزدوری پر لگا کر کھانے پینے کا انتظام کرنے کے بجائے علمِ دین حاصل کرنے پر لگا دیا۔

طلبہ اور جو حضرات مدرسوں کے احوال سے واقف ہیں۔ جانتے ہیں کہ دورہ کے سال میں اسباق فجر کی نماز کے بعد شروع ہو جاتے ہیں اور رات ایک ایک بجے تک رہتے ہیں۔ درمیان میں تھوڑی دیر کے لئے نماز اور کھانے کا وقفہ ہوتا ہے اور کچھ زیادہ دیر کیلئے دوپہر کے آرام کا وقفہ ہوتا ہے تاکہ طلبہ اس میں کھانا بھی کھا لیں اور آرام بھی کر لیں۔ ناشتے کا تو اس زمانے میں رواج ہی نہ تھا۔فقر و فاقہ کا دور تھا۔

دورۂ حدیث کے سال دادا جان ایک روز صبح سویرے نماز کے بعد اسباق پڑھنے کے لئے چلے گئے۔ دوپہر کو چھٹی ہوئی، جون کا مہینہ،تپتی ہوئی دھوپ اور دادا

کی کہ کھانا کھانے کے لئے گھر آنے کی اجازت لے لی چنانچہ کھانا کھانے کے بہانے گھر آتے اور اسی وقت میں ظہر کی نماز پڑھ لیتے۔

گھر کے باہر پولیس کے آدمی پہرہ دیتے رہتے تھے۔ بعض اوقات کسی اطلاع کے بغیر گھر میں گھس کر دیکھتے کہ کہیں نماز تو نہیں پڑھ رہے۔ میرے والد صاحب مجھے اپنے گھر کے دروازے پر پہرے کے لئے بٹھا دیتے کہ اگر کوئی پولیس والا آئے تو میں ان کو بتا دوں۔

انگریزی دورِ حکومت میں ہمارے اکابر کی قربانیاں

انگریزی دورِ حکومت میں ہمارے اکابر نے جو قربانیاں دیں۔ اس کی ایک درد ناک داستان ہے۔ دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے قائم فرمایا۔ اس مدرسے کے لئے بھی بے حد قربانیاں دی گئیں۔

انگریز نے مسلمانوں پر معاش کے سارے دروازے بند کر دیئے تھے۔ جب انگریزوں نے ہندوستان میں قدم رکھا تو اس وقت یہاں کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ یہاں کے تمام علماء فارسی زبان کے ماہر تھے۔ اسلامی علوم اور اس وقت کے عصری علوم کے بھی ماہر تھے اور یہ سب تعلیم یافتہ سمجھے جاتے تھے لیکن انگریز نے آکر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یہاں کی زبان بدل ڈالی۔ سرکاری سکولوں اور تعلیمی اداروں میں دین کا داخلہ بند کر دیا۔ جس کی وجہ سے سرکاری اداروں میں علماء کے لئے ملازمتیں ممکن نہ رہیں کیونکہ زبان بدلنے کی وجہ سے یہ سب علماء ان پڑھ قرار پائے۔ اب معاش کے سارے دروازے علماء کے لئے بند ہو گئے۔ اِن حالات میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی۔

جان بھوک سے بے تاب (آپ اندازہ کیجئے جس پر پوری رات گذر چکی ہو اور صبح ناشتہ کئے بغیر مسلسل پڑھنے میں لگا ہوا ہو، اور وہ ہو بھی جوان تو اب دوپہر کے وقت اس کی بھوک کا کیا حال ہوگا)۔

اسی حالت میں گھر پہنچے۔ والدہ سے کہا: امی جان! کھانا دیجئے۔ ماں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ بیٹا گھر میں تو کچھ بھی نہیں البتہ بستی کے باہر ہماری تھوڑی سی زمین ہے۔ گندم کی فصل تیار کھڑی ہے۔ اگر تم تھوڑی سی گندم کاٹ کر لے آؤ تو میں اُسے کوٹ کر، چھان پھٹوڑ کر کے تمہارے لئے روٹی تیار کر دوں گی۔ دادا جان اسی جلتی ہوئی دوپہر میں وہاں گئے۔ کھیت سے گندم کا ایک گٹھا کاٹ کر سر پر لائے۔ دونوں ماں بیٹے نے مل کر اُسے صاف کیا۔ پچھوڑا۔ ماں نے اس کی روٹی تیار کی اور بیٹا روٹی کھا کر فوراً مدرسہ چلا گیا۔

تو یہ ہمارے بزرگوں کی داستانیں ہیں اور اب بھی قربانیاں دی جارہی ہیں اور دی جاتی رہیں گی۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اِن مدارس میں پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوئے ہیں۔

مدارس کے حوالے سے ہماری ذمہ داریاں

ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم قال اللہ و قال الرسول کرنے والوں کو تنہائی کا احساس نہ ہونے دیں۔ جو مسلمان ان کے ساتھ روپے پیسے سے مدد کرسکتا ہو، وہ روپے پیسے سے کرے۔ جو دعاؤں سے مدد کرسکتا ہو وہ دُعاؤں سے۔ اور ہر مسلمان کم ازکم اتنا تو ضرور کرے کہ کوئی ایسی بات نہ کہے، جس سے ان کے حوصلے پست ہوں بلکہ ان کے حوصلوں کو بڑھانے والی بات کہے۔ ان کی خوبیوں کا اعتراف کرے تاکہ اِن طلبہ اور فاقہ مست مدرسین کے حوصلے بڑھیں۔ یہ مدرسین چھوٹی چھوٹی تنخواہوں

اور تنگ و تاریک حجروں میں رہ کر بھی دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ انشاء اللہ خوش نصیب ہوں گے، وہ لوگ جو اس سلسلے میں داخل ہوں گے اور وہ لوگ جو اس سلسلے کے ساتھ تعاون کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سلسلے کے ساتھ وابستہ رکھے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین